مولانا سعد کاندھلوی کے بعض اغلاط اور ان کے فکری شذوذ

بنگلہ بیان

حضرت مولانا محمدؐ عبد المالک صاحب دامت برکاتہم

رئیس شعبۂ تخصّص فی علوم الحدیث

مرکز الدّعوۃ الاسلامیّہ ڈھاکہ

اُردو ترجمہ

بندہ مشتاق احمد

دورۂ حدیث وافتاء، دار العلوم دیوبند

۸/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ

۲۰۱۹/۲/۱۴ء

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

پیش لفظ

الحمد لله، وسلام علی عباده الذّین اصطفی، أمّا بعد !

زیرِ نظر مقالہ در اصل استاذِ محترم حضرت مولانا محمّد عبد المالک حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ کا ایک وضاحتی بیان ہے، جو انھوں نے بتاریخ ۴/ربیع الاوّل ۱۴۴۰ھ = ۱۳ نومبر ۲۰۱۸ء کو بنگلہ دیش کے ضلع منشی گنج میں بزبانِ بنگلہ پیش کیا تھا۔ الحمد للہ ان کا یہ بیان اور اس سے متقارب ان کے چند اور بیانات اس سلسلے میں بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔

بعض دوستوں نے بندہ سے التماس کی کہ اسے اُردو میں ترجمہ کردوں۔ میں نے اس خیال سے کہ اس سے اُردو داں حضرات کی دعائیں ملیں گی راضی ہوگیا، اور الحمد للہ مختصر وقت میں اس کا ترجمہ کرلیا۔ کوشش کی کہ ترجمہ اصل سے قریب تر ہو اور سلیس بھی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ استاذِ محترم نے خود اس اُردو ترجمے کی نظرِ ثانی فرمادی ہے اور اسے موافقِ اصل قرار دیا اور بندہ کو دعائیں دی ہیں۔ فجزاه الله عنّي في الدّارين خيرا الجزاء.

امید ہے کہ اس سے اُردو داں حضرات بھی مستفید ہوں گے، اللہ تعالیٰ تبلیغی جماعت کی حفاظت فرمائے، اور اس کے کارکنان کو ہر طرح کی غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ بالخصوص حضرت مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ کی وجہ سے جماعت میں جو انتشار اور فساد پھیل گیا ہے انھیں اس کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عرض گذار

بندہ مشتاق احمد

۱۴۴۰/۶/۸ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○

ہم آزمائشی دور سے گزر رہے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا کام اسلام کا ایک نہایت ہی اہم شعبہ ہے۔اشاعتِ دین، حفاظتِ دین اور نصرتِ دین کے لیے جو کام اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیے ہیں ان میں سے ایک ہے دعوت و تبلیغ کا کام۔دعوت و تبلیغ کے بہت سے طریقے ہیں۔ان میں سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ انھوں نے اپنے اکابرین اور اساتذہ سے مشورہ کرکے، ان سے دعائیں لے کر اور بارہا استخارہ کرکے انتخاب کیا ہے۔دوسرے طریقے کو انھوں نے کبھی غلط نہیں کہا۔بہر حال ان کا اپنایا ہوا طریقہ امّت کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔اس طریقے سے بہت فائدے مرتّب ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتا رہے گا ان شاء اللہ۔آج دعوت و تبلیغ کے اس طریقے پر بہت بڑا امتحان برپا ہوا ہے۔

انسان کی ذاتی زندگی، عائلی زندگی، سماجی زندگی اور اسی طرح اجتماعی زندگیوں پر، مختلف اوقات میں مختلف حالات اور آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔اس طرح کے حالات جب آتے ہیں تب ایک مومن کی ذمّے داری یہ ہے اس حالات میں اپنا فریضہ معلوم کرے، نیز یہ حالت کیوں آئی، یہ امتحان کیوں آیا اور اس سے مجھے کیا سبق حاصل کرنا چاہیے، کیا عبرت حاصل کرنا چاہیے،اس بارے میں فکر مند ہو۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات اور آزمائشیں آتی ہیں غفلت دور کرنے کے لیے۔اب اگر حالات آنے کے بعد غفلت اور بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔اس لیے حالات سے ہمیں سبق حاصل کرنا

چاہیے۔ یہ چیزیں ہمیں علمائے کرام سے معلوم کرلینا چاہیے۔اس بارے میں ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ہم یہ فکر ہی نہیں کر رہے ہیں کہ ہماری ذمّے داری کیا ہے۔میں سب کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ہم میں سے اکثراپنا فریضہ اور پیش آمدہ واقعہ سے عبرت حاصل کرنے سے بے خبر اور غافل ہیں۔

بہر حال صرف آج کی اس نشست میں ساری باتیں مذاکرہ کرنا ممکن نہیں؛اس لیے مختصراً چند باتیں آپ حضرات کے سامنے عرض کرنے کی کوشش کروں گاان شاءاللہ۔

کیاآزمائش ہے؟

آزمائش یہ ہے کہ جس ممبر سے ہم آج تک ہدایت کی باتیں سنتے تھے، جن ذمّے داران سے ہم ہدایت کی باتیں سنتے تھے، جن سے ہمیں آج تک رہنمائی ملتی رہی،اب ان میں سے ایک صاحب سے ایسی ایسی باتیں سننے میں آرہی ہیں جو ہدایت کی باتیں نہیں؛بلکہ گمراہی اور ضلالت کی باتیں ہیں۔جس ممبر سے ہدایت کی باتیں سنائی دیتی تھی جب اسی ممبر پر بیٹھ کر کسی مخصوص آدمی بے لگام ہو کر ایسی باتیں بتانے لگے،جو اہل سنّت والجماعت کے اجماع کے خلاف ہیں،دلائلِ شرعیّہ کے خلاف ہیں۔جہاں فرض یہ تھاکہ بے دلیل اور خلافِ دلیل کوئی بات نہ بولی جائے،اٹکل پچّو سے کوئی بات نہ کہی جائے،ان کی طرف سے اب اٹکل پچّو کی باتیں اور غیبی باتیں سنائی دے رہی ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔کئی سالوں سے اس طرح چل رہاہے۔عوام سے مخفی رکھ کراصلاح کی کوشش کی گئی۔گھر کی چہار دیوری کے اندر رہ کر، بار بار خطوط کے ذریعہ متنبّہ کرکے،مربّی حضرات اوران کے رفقاءنے ان سے ملاقات کرکے آپسی گفت وشنید کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی۔باوجودے کہ معاملہ جو کا تو رہا۔کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔بہ طورِ خاص چھ سات سال تک توزوردار طریقے سے اصلاح کی کوشش اور

فکر جاری رہی؛ لیکن کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ معاملہ شروع ہی میں باہر نہیں آیا تھا۔ تمام کوششیں ناکام اور تمام محنتیں رائگاں جانے کے بعد معاملہ باہر آیا۔

تو اس حالت میں شریعت کا کیا فرمان ہے؟ ہمیں یہ بات معلوم کرنا پڑے گی۔ اس صورتِ حال میں بے پروائی اور غفلت برتنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ چھوڑو بھائی اس معاملے سے ہمارا کیا لینا دینا ہے۔

اگر آپ کو کسی چیز چھوڑنا ہی ہے تو آپ اپنے حق کی زمین چھوڑ دیجیے۔ فرض کیجیے آپ کے کسی پڑوسی نے آپ کے حق کی زمین کا ناحق دعویٰ کیا۔ اس وقت آپ نے سوچا کہ جب مدّعی مان نہیں رہا ہے ناحق دعوے سے باز نہیں آرہا ہے، اپنے ناحق دعوے پر مصر ہے، تو اس کے ساتھ جھگڑنے کے بجائے، عدالت میں جا کر اس کے خلاف مقدّمہ دائر کرنے کے بجائے یہ زمین اسے ہی دے دی جائے۔ اپنے بچّوں سے کہہ دیا کہ تم اس زمین میں اپنے حق سے دست بردار ہو جاو، اپنا حق چھوڑ دو۔ یہ آپ کر سکتے ہیں۔ اپنی زمین آپ چھوڑ سکتے ہیں؛ لیکن دینی امور میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب ایک آدمی سراسر غلط اور گمراہی کی باتیں بتا رہے ہیں۔ تنبیہ کرنے کے باوجود اپنے غلط موقف پر علیٰ حالہ قائم اور ڈٹے ہوئے ہیں۔ نیز اپنے غلط موقف ثابت کرنے پر مصر اور غلط موقف کی غلط طرف داری بھی جاری ہے۔ دریں صورتِ حال کسی دینی امور کے ذمّے دار، جس کی باتوں کو لوگ ہدایت کی باتیں سمجھتے ہیں، جس کی باتوں کو لوگ دینی رہبری سمجھتے ہیں، ایسے آدمی کو مقتدیٰ کیسے مانا جا سکتا ہے؟

یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے کسی کو کسی انتظامی امور کا ذمّے دار بنانا۔ جیسے مسجد کے کام ایسے آدمی بھی کرتے ہیں، جو نماز نہیں پڑھتے روزہ نہیں رکھتے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کوئی آدمی مسجد کا کام کر کے نماز نہیں پڑھے گا روزہ نہیں رکھے گا یہ کیسی بات ہے! مستریوں کو نماز روزے کا پابند ہو جانا چاہیے۔ کبھی کبھی ائمۂ مساجد اور موذّنین حضرات ان کو سمجھاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کوئی نماز

روزے کا پابند ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں ہوتا۔ ٹھیک ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو اینٹ اور سیمنٹ لاتے ہیں، اینٹوں کو اینٹوں سے جوڑتے ہیں۔ ممبر پر بیٹھ کر بیان تو نہیں کرتے۔ جمعہ کے دن تقریر تو نہیں کرتے۔ مستریوں کا نماز روزے کا پابند نہ ہونے کے باوجود اگر آپ انھیں کام کرنے کا موقع دیں تو یہ جائز ہو گا کہ نہیں؟ جائز ہو گا۔ اگرچہ انھیں نماز روزے کا پابند ہو جانا چاہیے۔ آپ نے محنت بھی کی دعوت بھی دی؛ لیکن کسی نے لبیک نہیں کہا۔ کیا اس وجہ سے اسے بھگا دینا پڑے گا؟ نہیں۔

اب اگر وہ آکر ممبر پر بیٹھ کر یا محراب میں کھڑے ہو کر بیان کرنا شروع کر دیں، تو کیا اسے خوش آمدید کہا جائے گا؟

خبردار میں موازنہ نہیں کر رہا ہوں۔ یہ سمجھانا مقصد ہے کہ دونوں معاملہ الگ الگ ہیں۔ ایک ہے انتظامی ذمّے داری اور ایک ہے دینی ذمّے داری۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ دونوں ذمّے داریاں الگ الگ ہیں۔ اگر آپ نے کسی کو محض انتظامی امور کا ذمّے دار بنایا جیسے مہمان خانے کا ذمّے دار بنا دیا، تشکیل کے کمرے کا ذمّے دار بنا دیا، بیرونی مہمانوں کے خطّوں کا ذمّے دار بنا دیا۔ ہر ایسے آدمی کو ایسے کام کا ذمّے دار بنایا جا سکتا ہے جو بڑوں کی رہنمائی کے مطابق ذمّے داری سنبھال سکتا ہو۔ یہ ایک قسم کی ذمّے داری ہے۔

ایک دوسری قسم کی ذمّے داری ہے، دینی امور کی ذمّے داری۔ ممبر جس کے ذمّے، حیاۃ الصّحابہ کی تعلیم جس کے ذمّے، بوقت روانگی ہدایت کی باتیں جس کے ذمّے۔ ایسے امور کا ذمّے دار کون بنے گا۔ جس کی زبان سے ہدایت کی باتیں نکلتی ہو وہی نا؟ اب اگر ہدایت کی باتوں کے ساتھ ساتھ گمراہی کی باتیں بھی شامل ہوتی رہیں۔ ایک دن، دو دن، تین دن۔ ایک بات، دو باتیں، تین باتیں، دس باتیں، بیس باتیں اس طرح مسلسل چلتا رہے۔ کیا اس کے باوجود خاموش رہنا پڑے گا۔

توکسی دینی جماعت کے دینی امور کا ذمّے دار جو بنے گا وہ جو بھی ہو،اسے تمام عقائدِ اہل السّنۃ والجماعہ کے متّبع ہونا پڑے گا۔اپنی گفتگو،اپنے افکار،اپنے مزاج و مذاق اپنے عقائد ہر امور میں متّبعِ سنّت ہونا پڑے گا۔اگر بدعتی ہو۔بدعتی ہونے کا دو معنی ہے۔ایک ہے بدعتی کام کرنا۔اور ایک ہے بدعت ایجاد کرنا۔کون سازیادہ خطرناک ہے؟اگر کوئی ہدایت کی باتوں کے پسِ پردہ بدعت ایجاد کرتا رہے،تو یہ خطرناک ہے کہ نہیں؟نہایت خطرناک ہے۔

میں نے اسے امتحان اور آزمائش کیوں کہا ؟کیوں کہ یہ کام ایک ایسی شخصیّت کر رہے ہیں جو سبھی کے معتمد علیہ اور محبوب تھے ۔جن کی باتیں سن کر بہت سے لوگ نماز روزے کا پابند بنے۔جن کی باتوں سے پتہ نہیں کتنے لوگوں میں دین کی سچی طلب پیدا ہوئی۔ان کے لیے ہمارے دلوں میں محبّت ہے؛اب ان کے بارے میں علمائے کرام یہ کیا فرما رہے ہیں کہ وہ اہل السّنۃ والجماعہ کے مخالف باتیں بیان کرتے ہیں۔غلط تفسیریں کرتے ہیں۔خود ساختہ اور من گھڑت باتیں بتاتے ہیں۔علمائے کرام یہ سب کیا فرماتے ہیں؟کیا یہ قابلِ یقین ہے؟یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نہیں؟بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ سوال پیدا ہونا ہی چاہیے۔جب آپ نے دو ایک آدمیوں سے سنا۔دو ایک عالموں سے سنا۔تو سوال پیدا ہوگا۔آپ اپنے محلّے کے امام صاحب سے پہلی بار سن کر سوچ سکتے ہیں کہ امام صاحب بھی عالم ہے مولانا سعد صاحب بھی عالم ہے۔ہمارے امام صاحب مولانا سعد صاحب کی غلطیاں بتا رہے ہیں۔شاید ہمارے امام صاحب سے کہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔اتنی جلدی ہم مولانا سعد صاحب پر بے اعتماد نہیں ہو سکتے۔لیکن ایک دن محلّے کے امام صاحب نے بتایا۔دوسرے دن دوسرے امام صاحب نے بتایا۔اب ملک کے تمام سر گردہ اور ذمّے دار علمائے کرام بتا رہے ہیں۔بیرونِ ملک کے سر گردہ علمائے کرام بتا رہے ہیں۔مولانا سعد صاحب کے ساتھ کسی کی بھی ذاتی کوئی دشمنی نہیں ہے۔تو سارے لوگ ایک

ہی بات کیوں بتارہے ہیں؟ سارے لوگ ہم آواز کیوں نظر آرہے ہیں ؟اب ہمیں اس بارے میں متفکر ہوناچاہیے۔

محبّت صرف اللہ کے لیے ہوناچاہیے

ہم حق کو بھی محبّت کرتے ہیں، مولاناسعد صاحب کو بھی محبّت کرتے ہیں۔ مولاناسعد صاحب کو اللہ کے لیے محبّت کرتے تھے۔اس لیے نہیں کہ ان کا نام ''سعد '' ہے۔اس لیے بھی نہیں کہ وہ کاندھلہ کے رہنے والے ہیں۔نہ اس لیے کہ وہ نظام الدّین بنگلہ والی مسجد کے امام ہیں۔ اس لیے بھی نہیں کہ وہ حضرت جی مولانایوسف صاحبؒ کے پوتے ہیں؟ آخر کس لیے محبّت کرتے تھے؟ سبھی کا جواب یہی ہے کہ اللہ کے لیے محبّت کرتے تھے ۔

وہ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، ہدایت کی باتیں بتاتے تھے؛ اس لیے ہم ان کو محبّت کرتے تھے۔اب جب تمام علمائے کرام فرمارہے ہیں کہ وہ گمراہی کی باتیں بتاتے ہیں۔لاکھوں لوگوں کے اجتماع میں گمراہی کی بہت سی باتیں اب تک آچکی ہیں۔ متنبّہ کرنے کے باوجود ہاتھ جوڑنے کے باوجود، وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آرہے ہیں۔اپنی اصلاح کی فکر نہیں کررہے ہیں۔

ان کا مختلف ایک مزاج بن چکاہے۔دل و دماغ، مزاج و مزاق، افکار و نظریّات مختلف قسم کے بن چکے ہیں۔اسی مزاج کے مطابق بیانات میں الٹی سیدھی من گھڑت باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ سلف کے طریقے کی کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں توچوں کہ ہم انھیں محبّت کرتے تھے اللہ کے واسطے، اللہ کے دین کے واسطے، داعی الی اللہ ہونے کے واسطے، ہدایت کی باتیں بتاتے تھے اس لیے؛ لیکن اب چوں کہ ہدایت کی جگہ گمراہی کی باتیں بتاناشروع کیاہے اور متنبّہ کرنے کے باوجود اپنے موقف پر اٹل ہے لہٰذاان کی محبّت فی الحال موقوف ہے۔

محبّت موقوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی محبّت نہیں کریں گے کہ ان کی غلط باتوں کو بھی قبول کرلیں۔ غلطیوں کی اصلاح کرنے سے پہلے ان کی اطاعت شروع کردیں۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔

اب ان کی محبّت دل میں رہے گی۔ ان کے لیے یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ ! حضرت مولانا سعد صاحب کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اے پروردگارِ عالم ! ہم سب کو آپ ہدایت پر استقامت عطا فرما۔ حضرت مولانا سعد صاحب کو ہدایت نصیب فرما۔ صحیح سمجھ عطا فرما۔ تفقّہ فی الدّین عطا فرما۔ رسوخ فی العلم عطا فرما۔ اللہ والوں کی صحبت نصیب فرما۔ علم اور دین کی سمجھ جس طرح حاصل کرنا چاہیے اسی طرح حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ! آپ ہم سب کو قبول فرما۔ دعوت و تبلیغ کے کام میں جو انتشار چل رہا ہے آپ اسے حل فرما۔ ہمارے اطاعتی بھائیوں کو آپ صحیح سمجھ عطا فرما۔ جو لوگ علمائے کرام کی نگرانی میں دعوت و تبلیغ کا کام کررہے ہیں ان کو آپ ہدایت پر ثابت قدم فرما۔ کمی کوتاہیوں کو درگزار فرما۔ ان سے جو غلطیاں ہورہی ہیں ان کی اصلاح فرما۔ یہ لوگ حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں اس دعوت کو صحیح نہج پر دینے کی توفیق عطا فرما۔ کسی طرح کے افراط تفریط، کسی مربّی کے بارے میں نامناسب کلمہ ہمارے منہ سے نہ نکلنے پائے اس کی توفیق عطا فرما۔ اللّٰہم آمین۔

محبّت کے ساتھ ساتھ ان کے لیے دعا بھی جاری رکھیں گے۔ ایسا نہیں کہ ان کی منکر اور گمراہ کن باتوں کی اصلاح کے بغیر ہی ان کی اطاعت شروع کردیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں گے۔

اس صورتِ حال میں ہمارا فریضہ کیا ہے؟

ہونا یہ چاہیے تھا کہ دعوت و تبلیغ کا کام مربّیوں نے جس طرح سیکھایا ہے۔۔۔۔۔ بنگلہ دیش کی بات ہی لیجیے۔ حضرت مولانا زبیر صاحب، حضرت مولانا ربیع الحق صاحب سمیت ”کاکرائیل“ کے دیگر علمائے کرام نے دعوت و تبلیغ کا کام مولانا سعد صاحب کے بعد شروع کیا یا پہلے ؟ بہت پہلے۔ ان کا

کام میدان میں محنت کر کے، چلہ اور سال لگا کر کے شروع ہوا ہے یا کرسی میں بیٹھ کر بیان کے ذریعہ شروع ہوا؟ چلہ، سال اور میدان میں محنت کرنے کے ذریعہ شروع ہوا ہے۔ کرسی کے بیان سے شروع نہیں ہوا۔ انھوں نے یہ کام سیکھا ہے مولانا سعد صاحب کے والد کے مربّیوں سے۔ نہ زمانۂ حال کے کسی سے۔

تو ہمارے علمائے کرام یہ فرمارہے ہیں کہ کام مقصد ہے، نام مقصد نہیں۔ کسی خاص آدمی کا نام ہر گز مقصد نہیں ہے۔ چوں کہ کام ہی مقصد ہے لہذا مولانا سعد صاحب کی مختلف قابلِ اعتراض باتیں اور شدید قسم کی غلطیوں کی اصلاح نہ ہونے کے باوجود انھیں دعوت دے کر یہاں بلانا یہ تو مناسب نہیں۔ پہلے صورتِ حال یہ نہیں تھا جو اب ہے۔ اس لیے وہ تشریف لاتے رہے۔ اب ان کو چاہیے کہ اجتماع میں تشریف لانے سے پہلے اپنی غلطیوں کی اصلاح فرمالیں۔ چوں کہ کام مقصد ہے اس لیے کام یہاں کے مقامی مربّیوں کے ماتحت چلتا رہے۔ اس دوران وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح فرمالیں۔ مرکز نظام الدّین سے جو حضرات ان کی غلطیوں کی اصلاح نہ ہونے کی وجہ سے نکل گئے ہیں اور جاتے ہوئے یہ خط لکھ کر گئے ہیں کہ غلطیوں کی اصلاح ہو جانے کی صورت میں ہم دوبارہ نظام الدّین واپس آجائیں گے؛ کیوں کہ نظام الدّین تو ہمارا گھر ہے۔ البتّہ اصلاح ہونے تک ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔

ان کو بھی مولانا سعد صاحب یہ کہہ کر نظام الدّین واپس بلائے کہ آپ لوگوں نے جن غلطیوں کی نشان دہی فرمائی ہے، اللہ کے فضل سے بندہ ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے تیّار ہے۔ اب سے کام ان شاء اللہ مشورے سے چلے گا۔ اس طرح مولانا سعد صاحب اور نظام الدّین کے دیگر مربّیوں کے درمیان صلح ہو جائے۔ اس کے بعد وہ پہلے کی طرح ہمارے بڑے مربّیوں میں شمار ہوں گے۔ ان کی اصلاح ہو جانے کی صورت میں دیگر مربّیوں کے ساتھ صلح بھی ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ تب تک ہم اپنے مقامی مربّیوں کی نگرانی میں کام کرتے رہیں۔

علمائے کرام کے خیر خواہانہ مشورے کی ناقدری

علمائے کرام نے کتنا عمدہ مشورہ دیا تھا؛ لیکن کچھ لوگوں نے علمائے کرام کے مشورے کی ناقدری کرتے ہوئے آپس میں تفریق شروع کر دی۔ حتّٰی کہ اپنا نام ہی دے دیا ''اطاعتِ جماعت''۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اتنی اہم محنت میں تفریق کر دی گئی؛ حالاں کہ حق کی بنیاد پر ایک رہنا چاہیے تھا۔ ایک رہو نیک رہو کا مصداق بننا چاہیے تھا۔ اس طرح تفریق ہو جانا سنگین جرم ہے۔ پھر علمائے کرام نے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی۔ لگاتار کوشش چلتی رہی۔ سمجھانے کے بعد تو ایک ہو جانا چاہیے تھا۔ مجھے بہت کلفت ہوتی ہے جب سنتا ہوں کہ فلاں مرکز دو دن اِن کے پاس دو دن اُن کے پاس۔ دو دن اِن کے پاس تو چار دن اُن کے پاس۔ اِن کی شب گزاری فلاں تاریخ کو اور اُن کی شب گزاری فلاں تاریخ کو۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اس طرح کی باتیں سن کر مجھے بہت شرم بھی آتی ہے۔

اس طرح کی تقسیم تو وہاں ہوتی ہے جہاں مال و دولت کا مسئلہ ہو۔ جہاں عہدہ اور منصب کی بات ہو۔ حق اور باطل کے مسئلے میں کوئی تقسیم نہیں ہوتی۔ ایسے مواقع پر حق کی بنیاد پر متّحد رہنا پڑتا ہے؛ لیکن ایسا نہ ہوا۔ بالآخر تفرقہ ہو گیا۔ چلو تفرقہ ہو گیا پھر بھی ہمّت کرو، حق کی بنیاد پر ایک ہو جاؤ؛ لیکن یہ بھی نہ ہو سکا۔ تو تفرقہ کے بعد ایک نہ ہونا یہ دوسرا جرم ہے۔ اس دوسرے جرم سے نکل کر حق کی بنیاد پر خدارا اب تو ایک ہو جایئے۔

اتنے سالوں سے ہم ایمان سیکھ رہے ہیں۔ ایمان کی ایک شاخ ہے قبول حق کی استعداد پیدا کرنا۔ حق اگر میرے باپ کے خلاف ہو، میرے محلّے کے امیر کے خلاف ہو، جو مجھے تبلیغ کے اس مبارک کام کے ساتھ جوڑا ہے اس کے خلاف ہو، تو میں اسے محبّت تو کروں گا، اُس کے اِس احسان کی وجہ سے اُس کا احسان مند اور شکر گزار بھی رہوں گا۔ بارگاہ خداوندی میں اس کے لیے دعا بھی جاری

رکھوں گا۔ انتقال ہو جانے کی صورت میں اس کے لیے ایصالِ ثواب بھی کرتا رہوں گا۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے؛ لیکن غلط باتوں میں اس کی پیروی نہیں کروں گا۔ مجھے تبلیغ میں لا کر اس نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے؛ لیکن اب بھی اگر میں اس کی پیروی کرتا رہوں تب تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ کیا اس سے اس کو کوئی نفع پہنچے گا۔ اس کی وجہ سے اگر میں بھی گمراہ ہو جاؤں تو اس کا گناہ اور بھی بڑھتا رہے گا۔ اس لیے اب کوشش یہ ہونی چاہیے کس طرح ہاتھ پکڑ کر اسے راہِ حق پر لا سکوں۔

تیسرے جرم کا ارتکاب نہ کریں

میری دست بستہ التماس یہ ہے کہ اب بھی ہم حق کی بنیاد پر ایک ہو جائے۔ اگر ایک نہیں ہو سکتے تو کم از کم تیسرے جرم کا ارتکاب تو نہ کریں۔ سب سے پہلے یہ تو بتایئے کہ تفریق ہو جانے کے بعد بھی تو دونوں فریق دعوت و تبلیغ ہی کے ساتھی ہیں، کارکنان ہیں۔ جو حق پر ہے وہ تو واقعۃً، اور جو غلط راستے پر چلے گئے وہ اپنے دعوے کے مطابق؛ بلکہ اللہ غلط بیانی سے بچائے وہ لوگ تو اب اپنے آپ کو اصل تبلیغی کہنے لگ گئے ہیں۔ تو تبلیغ کا ایک اصول ہے اکرام المسلمین۔ ہمیں اس اصول کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ''بِی بَارِیا'' میں جو فساد مچایا گیا کیا وہ اکرام المسلمین ہے؟ یا ''کاکرائیل'' میں جو ہنگامہ برپا کیا گیا اس کا نام اکرام المسلمین ہے؟ ہمیں اکرام المسلمین کے اصول کا پاس لحاظ رکھنا چاہیے۔ ہم میں سے کوئی اس اصول کو توڑ کر سنگین جرم کا ارتکاب ہرگز نہ کریں۔ دعوت و تبلیغ کی روایات کی پاس داری کریں۔ دعوت و تبلیغ کی روایات کیا ہے؟ فضائلِ علم تعلیم کے حلقے سے سیکھنا۔ مسائلِ علم علمائے کرام سے سیکھنا۔ اس روایات کی پاس داری کریں۔ آپ لوگ اپنے آپ کو اطاعتی کہتے ہیں۔ یہ اطاعت کس کی ہے؟ مولانا سعد صاحب ہی کی تو اطاعت ہے۔ مرکز نظام الدّین ہی کی تو اطاعت ہے۔ تو مولانا سعد صاحب کی صرف غلط باتوں ہی کی اطاعت کریں گے؟ ان کی دو ایک صحیح باتوں کی بھی اطاعت کیجیے۔ انھوں نے مرکز نظام الدّین میں بتایا۔ ''کاکرائیل'' میں بتایا۔ خطوط میں لکھا۔ میں انھی کے الفاظ

میں آپ لوگوں کو ان کی بات سناتا ہوں۔ ۲دسمبر ۲۰۱۷ء کو مرکز نظام الدّین میں بعد نمازِ عشاء، حیاۃ الصّحابہ کی تعلیم میں حضرت مولانا سعد صاحب نے فرمایا:

''محترم بزرگوں عزیزو! علم، عمل کی کسوٹی ہے۔ علم و عمل کو علمائے کرام پر پیش کرو۔ علماء قائد ہیں، علماء مقتدیٰ ہیں اور امّت مقتدِی ہے۔ علماء اس لیے مقتدیٰ ہیں کہ اصل علم امام ہے، ہم قدم قدم پر اقوال وافعال واعمال میں علماء کے تابع ہیں۔ علماء کی رہبری اور ان کی طرف سے ملنے والی ہدایت یہ بنیادی بات ہے، اس لیے کہ علم سے ہٹ کر جہل اور ضلالت ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہر بیان اور ہر قول و عمل میں یہ دیکھیں کہ علمائے حق کیا فرماتے ہیں، صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین اس بارے میں سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے، میرا قول و عمل علم کے مطابق ہے یا خلاف؟''

یہ مولانا سعد صاحب کا بیان ہے۔ جو لوگ انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں ان میں سے اگر کوئی چاہے تو انٹرنیٹ پر سارچ کرکے ان کا یہ بیان سن سکتا ہے۔ جو لوگ انٹرنیٹ استعمال نہیں کرتے ان سے میں کبھی نہیں کہتا کہ آپ انٹرنیٹ میں سارچ کرکے دیکھیے۔ انٹرنیٹ کا استعمال ہمیں پسند نہیں؛ لیکن جو لوگ انٹرنیٹ استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ انٹرنیٹ پر سارچ کرکے ۲ دسمبر ۲۰۱۷ء کی حیاۃ الصّحابہ کی تعلیم سماعت فرما سکتے ہیں۔

ان کی مذکورہ بات واضح بھی ہے اور صحیح بھی۔ جو لوگ مولانا سعد صاحب کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں انھیں مولانا سعد صاحب کی مذکورہ باتوں پر عمل درآمد ہونا چاہیے۔

اس کے بعد جب ۲۰۱۸ء میں مولانا سعد صاحب اجتماع کے موقع پر زُور زبردستی تشریف لے آئے، تو اس سفر میں انھیں ''کاکرائیل'' ہی سے نظام الدّین واپس جانا پڑا۔ اجتماع کے میدان میں تشریف نہیں لاسکے۔ اس موقع پر ''کاکرائیل'' میں انھوں نے بیان کیا تھا۔ بیان کے شروع میں انھوں نے فرمایا:

”علمائے کرام کو اپنی اصلاح کا ذریعہ اور ان کے ٹوکنے کو ان کا اپنے اوپر احسان یقین کریں؛ اس لیے کہ علماء جو بات فرمائیں گے اس میں عمل کی قبولیت اور اس میں ہی عمل کا صحیح ہونا ہے۔ اس طرح ہم علمائے کرام سے علمی استفادہ بھی کریں اور اگر علماء کسی بات پر اعتراض کریں یا کسی بات کو ٹوکیں تو اس کو قبول بھی کریں۔“

مولانا سعد صاحب کی یہ باتیں صحیح ہیں۔ تو ہم ان کی صحیح باتوں کی اطاعت کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ یہ باتیں سبھی کے لیے ہیں۔ جو لوگ ان کی اطاعت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں ان کے لیے تو ضرور۔

تیسری غلطی کے مظاہر

تو میری گزارش یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی تیسری غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔ تیسری غلطی کا سب سے اہم مظہر یہ ہے کہ کچھ لوگ مولانا سعد صاحب کی اطاعت کا تو نام لیوا ہیں؛ لیکن ان کی صحیح باتوں کی اطاعت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس کوتاہی سے انھیں بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض چیزیں واضح گناہِ کبیرہ ہیں۔ جیسے غیبت کرنا۔ جب غیبت کی بات آگئی تو یہاں ایک بات واضح ہو جانا چاہیے۔ میں اس وقت آپ لوگوں کے سامنے مولانا سعد صاحب کی غلطیوں کے بارے میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں ہے۔ یہ دینی ذمّے داری کو نبھانا ہے۔ مولانا سعد صاحب کی کسی ذاتی امور کے بارے میں، میں کچھ عرض نہیں کر رہا۔ ذات کے اعتبار سے مولانا سعد صاحب کا معاملہ ان کا اپنا ہے۔ اس طرح کی کسی بات کا میں مذاکرہ نہیں کر رہا ہوں اور آئندہ بھی نہیں کروں گا ان شاء اللہ۔ کیوں کہ یہ غیبت ہے۔

اس وقت جو میں عرض کر رہا ہوں یہ خیر خواہی ہے۔ اسے کہا جاتا ہے النّصیحہ۔ ایک ہے غیبت اور ایک ہے نصیحہ۔ نصیحہ کا مطلب ہے خیر خواہی۔ غیبت کا مطلب ہے کسی کا نقص نکالنا۔ دینی امور میں غلطی کرنے والے کی غلطیوں کی نشان دہی غیبت نہیں؛ بلکہ خیر خواہی ہے۔ غلطی کرنے والے کے لیے

بھی خیر خواہی۔ جن کے سامنے ان غلطیوں کو واضح کیا جارہا ہے ان کے لیے بھی خیر خواہی ہے۔ غلطیوں کی اطاعت کرنے والوں کے لیے بھی خیر خواہی ہے۔اسے عربی میں کہا جاتا ہے النّصیحہ۔اس کا نام غیبت نہیں۔ غیبت کا مطلب ہے کسی کی عیب جوئی کرنا اور نقص نکالنا۔ غیبت حرام ہے۔

اب یہ دیکھا جارہا ہے کہ غلطیوں کی اصلاح کیے بغیر لڑائی بھڑائی میں مشغول ہو گئے۔ یہی تو ہے سب سے بڑا گناہ۔اس کے بعد ایک دوسرے کی غیبت بھی کررہے ہیں۔ آج کل غیبت کا بازار گرم ہے۔ حالاں کہ غیبت کرنا حرام ہے۔اس لیے ہمیں غیبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم غیبت سے پرہیز کرنے کے بجائے علمائے کرام جو اپنا دینی فریضہ انجام دے رہے ہیں اسی کو غیبت کے نام سے موسوم کررہے ہیں۔ وضاحتی مجالس کو غیبت کی مجلسوں کا نام دیا جارہا ہے۔ میں نے مولانا سعد صاحب کی کیا غیبت کی؟ مولانا سعد صاحب کی نجی زندگی کے بارے میں ،میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ان کے بیانات میں جو گمراہ کن باتیں ہیں اس بارے میں بتارہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غیبت سے بچنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

اوّلاً ہم غیبت سے بچنے کی کوشش کریں۔ثانیاً جھوٹ سے احتراز کرنے کی کوشش کریں۔ جب کسی کے ساتھ میری اَن بَن ہو جائے تو اب کیا اس کے بارے میں جھوٹ بولنا جائز ہو جائے گا؟ حاشا وکلّا ۔اسی طرح اگر کسی نے جھوٹ نہیں بولا؛ حالاں کہ آپ نے اسے جھوٹ بولنے کا الزام لگایا۔ یہ بھی تہمت ہے،اس طرح تہمت لگانا جائز نہیں۔ حق کی طرف دعوت دینے کے لیے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ تو پھر اگر کوئی خود بھی غلط راستے پر ہو اور اس غلط راستے کی طرف دعوت دینے کے لیے جھوٹ تراشے تو یہ جائز ہو گا؟ کبھی بھی نہیں۔

نہایت افسوس ناک صورتِ حال ہے دوسروں کو دھوکہ دیا جارہا ہے، جھوٹ در جھوٹ گھڑا جارہا ہے، عیب جوئی کی جارہی ہے،الزام تراشا جارہا ہے، گالم گلوج کی جارہی ہے،نام بگاڑا جارہا

ہے۔ سوشل میڈیا میں ان چیزوں کا بھرمار ہے۔ سوشل میڈیا کی دہشت گردی اور حقیقت کی غلط بیانی کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ آج کل تو ہاتھ اور لاٹھی ڈانڈا بھی چلایا جارہا ہے۔ان چیزوں کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیا یہ چیزیں دعوت و تبلیغ کے مقدّس کام کی روایات اور اقدار کے ساتھ میل کھاتی ہیں؟ جو لوگ حق پر رہ کر صحیح نہج پر حق کی دعوت دیتے ہیں کیا ان کے لیے بھی یہ چیزیں جائز ہیں؟ کبھی نہیں۔اور جو لوگ غلط راستے پر رہ کر اُس کی طرف دعوت دیتے ہیں کیا اُن کے لیے اِن چیزوں کا ارتکاب جائز ہوگا؟ یہ تو مزید خسارہ ہے کہ چوری اور سینہ زوری، یہ سب واضح گناہِ کبیرہ ہیں۔ جو لوگ علمائے کرام کے ساتھ حق پر ہیں، حق طریقے کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کے لیے بھی تو یہ چیزیں حرام ہیں۔ خبردار! آپ میں سے کوئی بھی ان چیزوں کا ارتکاب ہرگز نہ کریں۔ جو لوگ اطاعت کا نام لیوا ہیں وہ تو ویسے ہی غلط راستے پر ہیں اس کے بعد اگر مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے گا تو اپنے اوپر اور بھی ظلم ڈھائے گا۔اس لیے میں ان سے بھی ہاتھ جوڑ کر التماس کروں گا کہ آپ لوگ پہلے جرم ہی سے تو اب تک نہیں نکل پائے، براہِ کرم تیسرے جرم جو در حقیقت بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے اس کا ارتکاب نہ کیجیے۔ اللہ کے واسطے ذرا غور تو فرمائیں۔ اگر بزعمِ خویش آپ بھی دعوت و تبلیغ کا کام کررہے ہیں تو دعوت و تبلیغ کی روایات کا تحفّظ تو کیجیے۔ جو لوگ حق پر ہیں ان کے لیے تو دعوت و تبلیغ کی روایات کا تحفّظ اور بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

اب تک جو کچھ میں نے عرض کی یہ تمہید نہیں تھی؛ بلکہ یہ میری معروضات کا پہلا اور اہم جز ہے، جو میں نے بہ طورِ مقصد بیان کیا؛ یہ باتیں میرے نزدیک زیادہ اہم ہونے کی وجہ سے میں نے ان کو مقدّم کیا۔ ایک بار پھر میں اپنے بھائیوں دوستوں اور بزرگوں سے دست بستہ گزارش کروں گا کہ کوئی بھی ان واضح گناہِ کبیرہ کا ارتکاب نہ کریں۔

گفتگو کا دوسرا جز

ہمارے بہت سے بھائی دعوت و تبلیغ کی موجودہ کشمکش کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ سچی طلب رکھتے ہیں۔ ان کے لیے چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ مولانا سعد صاحب نے ایسی کونسی غلطی کی جس کی وجہ سے علمائے کرام فرمارہے ہیں کہ ان غلطیوں کی اصلاح کرنے سے پہلے مولانا سعد صاحب عالمی اجتماع میں تشریف نہ لائیں۔ اور جب تک ان کی اصلاح نہیں ہو جاتی تب تک ان کی اطاعت کے نام پر کوئی کام اس ملک میں نہیں چل سکتا؛ بلکہ ہمارے ملک میں دعوت و تبلیغ کا کام ہمارے اور ان کے اسلاف اور اکابر کے تربیت یافتہ مربّی جو ہمارے ملک میں موجود ہیں ان کی نگرانی اور زیرِ سرپرستی چلتا رہے گا۔ ہمارے ملک میں تھے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ، حضرت مولانا علی اکبر صاحبؒ۔ ہمارے مولانا زبیر صاحب، مولانا ربیع الحق صاحب انھیں کے تربیت یافتہ ہیں۔ میں نے دو اکابر کا نام لیا۔ نئی نسل تو ان کے نام بھی نہیں سنی ہوگی۔ اس طرح کے اور بھی علمائے کرام تھے۔ ہائے افسوس! اپنی تاریخ کو فراموش کر دینا کتنا بڑا جرم ہے۔ بنگلہ دیش میں دعوت و تبلیغ کا کام تیس چالیس سال سے نہیں؛ بلکہ اس سے بہت پہلے شروع ہوا ہے۔ اس ملک میں بھائی واصف الاسلام اور بھائی نسیم نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع نہیں کیا؛ بلکہ اس ملک کے موقّر علمائے کرام نے شروع کیا۔ ''کُھلنا'' میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ، حضرت مولانا علی اکبر صاحبؒ نے شروع کیا۔ کیا انھوں نے مولانا سعد صاحب سے دعوت و تبلیغ کا کام سیکھا ہے یا ان کے والد صاحب سے؟ بلکہ انھوں صفِّ اوّل کے اکابرینِ تبلیغ کی صحبت میں رہ کر کام سیکھا ہے۔ لہٰذا ان کے صحبت یافتہ لوگوں کی نگرانی میں کام جاری رہے گا۔ مولانا سعد صاحب کی اصلاح ہو جانے کے بعد ہی وہ تشریف لائے۔

مولانا سعد صاحب کی غلطیاں کیا کیا ہیں؟

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے بعض بھائی سمجھنا چاہتے ہیں کہ مولانا سعد صاحب نے ایسی کون سی فحش غلطی کر بیٹھی ہے، جس کی اصلاح کی بات علمائے کرام کر رہے ہیں۔

غلطی کس سے نہیں ہوتی؛البتہ ایک ہے کوئی ذاتی عمل کی غلطی،اور ایک ہے ایسی غلطی جس کی وجہ سے احکامِ شریعت میں آنچ آئے۔عقائد میں آنچ آئے۔ان دونوں غلطیوں میں فرق ہے کہ نہیں؟ غلطی کی بھی اقسام وانواع ہیں۔

غلطی کی پہلی صورت

جیسے آپ روزے سے ہیں، پھر آپ بھول گئے کہ آپ روزے دار ہیں۔پیاس لگی، سامنے پانی کا گلاس رکھا ہوا تھا،آپ نے ایک گلاس پانی پی لیا۔پانی پینے کے بعد یاد آئی کہ آپ روزے سے ہیں۔ایسا ہوتا ہے کہ نہیں؟ہوتا ہے۔یہ بھی تو غلطی ہے؛حالاں کہ یہ غلطی معاف ہے۔روزہ قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔عربی میں اسے کہا جاتا ہے ''نسیان''۔

غلطی کی دوسری صورت

اس کے بر خلاف آپ کو یاد ہے کہ آپ روزے سے ہیں۔وضو کرتے وقت بے خیالی میں تھوڑا سا پانی اندر چلا گیا۔یہ بھی تو ایک طرح کی غلطی ہے۔عربی میں اسے کہا جاتا ہے ''خطا''۔''خطا'' کی صورت میں بھی گناہ نہیں ہو گا۔البتہ روزہ قضا کرنا پڑے گا۔

غلطی کی تیسری صورت

فرض کیجیے آپ کے تیسرے بیٹے کی عمر سترہ سال ہے۔رمضان المبارک کے مہینے میں سرکار کی طرف سے امتحان رکھا گیا۔سیکولر حکومت کو ان چیزوں کی کوئی خبر نہیں رہتی۔الّا ماشاءاللہ۔عام طور پر دینی امور کی طرف کوئی توجّہ نہیں دیتی؛ورنہ رمضان میں امتحان رکھنے کی کیا ضرورت تھی! بہر حال

لڑکے نے سحری کھا کر روزے کی نیت کرلی؛لیکن ماں کہہ رہی ہے کہ روزہ توڑ لو بیٹا؛ورنہ تمھارے امتحان کا پرچہ اچّھا نہیں جائے گا۔نمبر کم آئے گا۔تم فیل ہو جاوگے وغیرہ وغیرہ۔لڑکا تیّار نہ ہونے کے باوجود ماں کی تشکیل میں آکر روزہ توڑ دیا۔تو لڑکے کے لیے ماں کی بات مان کر روزے کو توڑنا جائز نہیں ہوا۔ماں کی بات پر روزہ توڑنا لڑکے کی غلطی ہے۔یہ غلطی کس درجے کی ہے؟ایک روزہ کے لیے کتنے روزے کا کفارہ دینا پڑے گا؟یہ بھی تو غلطی ہے۔اس غلطی کا گناہ ہوگا کہ نہیں؟ہوگا۔کفّارہ بھی دینا پڑے گا۔تو آپ لوگ ہر غلطی کو برابر کیوں سمجھتے ہیں؟

دیکھیے پہلی غلطی جسے ''نسیان''کہا جاتا ہے اس میں گناہ بھی نہیں،روزے کا قضا بھی نہیں۔دوسری غلطی جسے ''خطا''کہا جاتا ہے اس میں گناہ تو نہیں؛البتّہ روزے کو قضا کرنا پڑے گا۔تیسری غلطی جس کے بارے میں ابھی میں نے بیان کیااس میں گناہ بھی ہے،روزے کا قضا کفّارہ بھی ہے۔معلوم ہوا کہ ہر غلطی برابر نہیں۔

غلطی کس سے نہیں ہوتی؟

غلطی کس سے نہیں ہوتی؛لیکن ہر غلطی کا حکم ایک نہیں۔غلطی غلطی میں فرقِ مراتب ہے۔اسی لیے میں نے کہا کہ ذاتی غلطی،گھر کی غلطی،عمل کی غلطی اور عقیدے کی غلطی سب ایک درجے کی نہیں۔غلط بات گھر میں بیٹھ کر دو ایک آدمی کے سامنے کہی گئی۔سامعین سمجھ دار ہونے کی وجہ سے انھوں نے غلطی کو بھاپ لیا۔انھوں نے غلطی کو قبول نہیں کیا۔متکلم کی غلط بات انھی کے پاس رہ گئی۔اور ایک ہے لاکھوں عوام کے مجمعے میں غلط بات بتائی گئی۔اب عوام تو یہی سمجھیں گے کہ متکلم دعوت و تبلیغ کے کام کے ذمّے دار ہیں۔وہ تو ہدایت کی بات ہی بتاتے ہیں۔قرآن و حدیث ہی سے بتاتے ہیں۔یہ سوچ کر لوگ غلطی کو قبول کر رہے ہیں۔تو اس طرح گھر میں بیٹھ کر بات کرنا اور عوام

کے مجمعے میں بات کرنا کیا برابر ہے؟ پہلی صورت میں تو سکوت اختیار کر سکتے ہیں؛ لیکن دوسری صورت میں سکوت اختیار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تو علمائے کرام یہ بات بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ غلطیوں میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ علمائے کرام مکمل ہوش وحواس کے ساتھ ہی یہ بتا رہے ہیں کہ مولانا سعد صاحب نے اتنی فحش غلطی کی ہے جس کی اصلاح ہونے تک ان کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ان کی اطاعت کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھائی ! غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ واہ! کیا خوب صورت جملہ ہے۔ارے میاں! کیا یہ بات علمائے کرام نہیں سمجھتے؟ علمائے کرام بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ غلطیوں میں بھی فرقِ مراتب ہے، جو آپ لوگ نہیں سمجھتے یا سمجھنا نہیں چاہتے۔

گذشتہ کل بھی میں اُن کا بیان سن رہا تھا۔حیاۃ الصّحابہ سے ایک عربی عبارت انھوں نے پڑھی۔ «مِقسَم» کی جگہ انھوں نے «مُقسَم» پڑھا۔(م) میں زیر پڑھنا چاہیے تھا۔کیا اب مجھے یہ بات اعلان کرنے ضرورت ہے کہ انھوں نے غلط پڑھا۔ ممکن ہے کہ بے خیالی میں ایسا ہو گیا ہو گا۔یا اس لفظ میں (م) کے نیچے زیر ہے یہ ان کو معلوم نہیں۔یہ بھی تو ایک طرح کی غلطی ہے۔اور ایک ہے بیانات میں احکامِ شریعت کی غلط بیانی، من مانی تفسیر اور غلط تشریح۔ایسی بات بتانا جس سے احکامِ شریعت میں آنچ آئے۔عقائد میں آنچ آئے۔یہ دوسری بات ہے۔ «مِقسَم» کی جگہ «مُقسَم» پڑھنے کی وجہ سے تو خاموش رہا جاسکتا ہے؛ لیکن اس طرح کی غلطیوں میں خاموش رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔اب یہ سمجھنا ہے کہ علمائے کرام ان کی کن غلطیوں پر خفا ہیں۔

سب سے خطرناک غلطی

جن غلطیوں پر سارے علماء خفا ہیں، ان میں سے ایک میں عرض کر رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء و

رسل کو بھیجا ہے ہدایت کے لیے۔ان کی سیرت اور زندگی کو اللہ تعالیٰ نے امّت کے لیے ہدایت بنائی ہے،اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔کلامِ پاک میں ارشاد ہوا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾(سورة الأحزاب:٢١)

انبیائے کرام کی سیرت ہم پڑھیں گے،تذکرہ کریں گے،ہدایت حاصل کرنے کے لیے۔یا پھر اس طرح تذکرہ کریں گے جس سے ایسا محسوس ہو کہ ان کی غلطی پکڑی جا رہی ہے۔نعوذ باللہ من ذٰلک۔انبیائے کرام کی سیرت کا اگر کوئی اس طرح تذکرہ کرے کہ ایسا لگے کہ ان کی غلطی پکڑی جا رہی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟یہ کوئی معمولی غلطی ہے یا بڑی؟اس طرح کی غلطی اگر کوئی کرے تو کیا وہ چھوٹی موٹی غلطی کا ارتکاب کیا یا بڑی غلطی کا؟

مولانا سعد صاحب کی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی انبیائے کرام کی سیرت و سوانح کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے وہ ان کی غلطی پکڑ رہے ہیں۔گویا وہ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں نبی سے غلطی ہو گئی ہے اس بارے میں ان کی پیروی نہیں کی جائے گی۔تم ان کی طرح ایسا نہ کرو۔انبیائے کرام کی سیرت و سوانح کو اس انداز سے پیش کرنا کیا ناراضگی کا سبب نہیں؟اگر اس غلطی کا کوئی اصلاح نہ کرے یا کبھی کہے کہ میں نے رجوع کیا پھر اسی غلطی کا اعادہ کرے یا ایک سے تو رجوع کیا؛لیکن اس طرح کی ایک اور غلطی کر بیٹھے اور یہ سلسلہ چلتا رہے تو اس پر اعتماد اور طمینان کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس طرح کا برتاو انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت یوسف علیہ السّلام کے ساتھ کیا۔

آپ لوگوں میں سے بہتوں کو معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے بعد میں اس سے رجوع کیا۔ رجوع کا مالہ وماعلیہ بعد میں بتاتا ہوں۔ اس سے پہلے ان کا بیان سنیے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر کتنا بڑا اعتراض کیا۔ میں چاہتا ہوں انھی کے الفاظ میں پیش کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں انھوں نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں نازیبا کلمات کہے ہیں۔ جب دار العلو دیو بند کی طرف سے ان کی بہت سی قابلِ اعتراض باتوں پر فتویٰ تیّار ہوا، شائع نہیں ہوا تھا، تو انھوں نے دار العلوم میں اپنے آدمی کو یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی غلطیوں سے رجوع کرنے کے لیے تیّار ہوں۔ اس وقت ان کی طرف سے بھیجے گئے لوگوں کے ہاتھ مولانا سعد صاحب کی غلط اور ان قابلِ اعتراض باتوں کی جو اہل السّنہ والجماعہ کے اتفاق کے خلاف ہیں، جن باتوں کی وجہ سے انبیائے کرام کی شان میں گستاخی لازم آتی ہو ان کی ایک فہرست دی گئی۔ تاکہ وہ اپنی غلطیوں کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے رجوع کر سکے۔ یہ فہرست دیکھ کر انھوں نے دار العلوم میں ایک خط ارسال کیا، جو ان کا پہلا رجوع نامہ ہے۔ اس پہلے رجوع نامہ کے شروع میں انھوں نے اپنی غلطیوں کا اقرار کرتے ہوئے لکھا ہے:

”۔۔۔۔۔۔اس سلسلے میں جن سابقہ قدیم بیانات کا حوالہ تحریر گرامی میں دیا گیا ہے، احقر اس کو اپنا ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اپنی جانب سے واضح الفاظ میں رجوع کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے عفو ومغفرت کا طالب ہے۔۔۔۔۔۔“

لیکن اس خط کے آخر میں انھوں نے جو سطور تحریر فرمائیں ان کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ دار العلوم دیو بند نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان پر بد گمانی کا نتیجہ ہے! وہ ان کو بد گمانی ہی سمجھتے

ہیں۔ مستزاد یہ ہے کہ ان کے پاس بھی اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لیے دلائل موجود ہیں۔ ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''۔۔۔۔۔۔۔۔آپ جیسے عالمی علمی دینی مرکز کے اہم ذمّے دار حضرات کو احقر واس کے ساتھیوں کے افکار و خیالات، موقف و مسلک میں کسی قسم کی جو بدگمانی ہوئی ہے احقر اس کو نہایت افسوس ناک اور دعوت و تبلیغ والے مبارک عمل اور اس کے مرکز کے ساتھ عدمِ تعاون سمجھتا ہے۔۔۔۔۔ نیز احقر کے بیانات پر جو اعتراض ہیں ان کے متعلق احقر کی کم علمی کے باوجود جو معلومات اور ان کے علمی مراجع وغیرہ ہیں آئندہ ارسال کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

اب آپ لوگ ہی فیصلہ کیجیے کیا یہ کوئی رجوع ہوا؟ اپنے موقف کی صحّت پر اگر ان کے پاس دلائل اور علمی مراجع موجود ہیں تو ان کو رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ان آخری سطور کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند اپنا فتویٰ واپس نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند نے ان کے پاس خط لکھا کہ آپ کے خط کے شروع سے اگرچہ رجوع سمجھا جاتا ہے؛ لیکن آخری سطور سے کچھ اور ہی سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا دارالعلوم دیوبند نے آپ کے قابلِ اعتراض باتوں پر جو فتویٰ مرتّب کیا ہے وہ اب خواص کے ہاتھ میں دیا جارہا ہے، یعنی علمائے کرام اور دعوت و تبلیغ کے خاص احباب۔ جنھیں اس بارے میں علم رکھنا ضروری ہے اور جو لوگ مناسب اقدام اٹھا سکتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اسے انٹرنیٹ پر شائع کر دیا۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنے وایب سائٹ پر اس فتویٰ کو ڈال دیا۔ اس فتویٰ کے چند دن بعد انھوں ایک اور رجوع نامہ ارسال کیا۔ یہ دوسرا رجوع نامہ کوئی نئی تحریر نہیں؛ بلکہ پہلے رجوع نامہ کے آخر میں جو انھوں نے بدگمانی اور ان کے پاس بھی علمی مراجع موجود ہونے کی بات لکھی تھی ان کو بس مٹا دیا گیا۔ یہ ہے دوسرے رجوع نامہ کی حقیقت۔ ۱۱/ ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ کو یہ رجوع نامہ ارسال کیا گیا تھا۔ جب کہ اس میں دستخط کیا تھا ۱۰/ ربیع

الاوّل ۱۴۳۸ھ کو۔اس تاریخ کو یاد رکھنا ضروری ہے۔۱۰/ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ بہ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۱۶ء۔

اس دوسرا رجوع نامہ دستیاب ہونے کے بعد دارالعلوم نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اب انھوں نے جو رجوع نامہ بھیجا اس پر چوں کہ ظاہراً کوئی قیل و قال نہیں اس لیے دارالعلوم دیوبند نے اسے قبول کیا۔پھر دارالعلوم نے ایک پرچہ بھیجا کہ ہمیں آپ کا دوسرا رجوع نامہ موصول ہوا۔ہمیں آپ کا یہ رجوع نامہ قبول ہے۔تفصیلی تحریر ہم بعد میں ارسال کریں گے۔

اس کے دو دن بعد یعنی ۱۳/ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ کو دارالعلوم دیوبند نے اپنا موقف تفصیلاً لکھ کر ایک وفد یا شخص کو مرکز نظام الدّین بھیجا۔یہ وفد مرکز نظام الدّین پہنچنے سے پہلے ان کے پاس یہ خبر پہنچی کہ آج یعنی ۱۳/ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ کی صبح کے بیان میں انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں سابقہ غلط باتوں کا اعادہ کیا۔ساتھ ساتھ حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں مزید چند در چند باتیں۔یہ باتیں بھی نئی نہیں تھیں۔ان کو بھی سابقہ بیانات میں بارہا بتا چکے تھے۔

ہائے!ابھی دو دن پہلے وہ جن باتوں سے رجوع کر چکے ہیں پھر دو دن بعد انھیں باتوں کا اعادہ!کیا یہ رجوع ہے یا تماشا!کوئی آدمی اگر حقیقتاً رجوع کرے تو ایک مرتبہ رجوع کرنا ہی کافی ہے؛ورنہ دس مرتبہ بھی اگر آدمی زبانی جمع خرچ کرتا رہے تو کیا فائدہ؟بہر حال یہ سن کر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب نے فون کر کے وفد کو واپس بلا لیا۔

۱۳/ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ بہ مطابق ۱۳ دسمبر ۲۰۱۶ء کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

”دعوت کا چھوٹ جانا یہ امّت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے،دعوت کا چھوٹ جانا یہ امّت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے،دعوت کا چھوٹ جانا یہ امّت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ دعوت الی اللہ کا چھوٹ جانا گمراہی کا سبب ہے؛بلکہ یہاں تک لکھا ہے مفسّرین نے کہ موسیٰ علیہ السّلام

نے اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر اللہ کی رضا اور اس کو خوش کرنے کے لیے تنہا عبادت میں مشغول ہو گئے اور قوم پیچھے رہ گئی، اللہ نے پوچھا کہ ﴿وَ مَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ یٰمُوۡسٰی﴾ (طه : ۸۳) اے موسیٰ علیہ السّلام تمھیں جلدی میں کس نے ڈال دیا؟ موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ پیچھے رہ گئے۔ میں آپ کو راضی کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ دھیان سے سننا بات کو، اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السّلام! ہم نے تمھارے پیچھے تمھاری قوم کو فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا، علما نے لکھا ہے کہ وجہ یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السّلام بجائے قوم کو ساتھ لے کر آنے کے قوم کو چھوڑ کر آ گئے، ۴۰ رات موسیٰ علیہ السّلام نے عبادت میں گزاری، اللہ کی شان کہ چھ لاکھ بنی اسرائیل جو سب کے سب ہدایت پر تھے، ان میں سے ۵ لاکھ ۸۸ ہزار، ۴۰ رات کی چھوٹی سی مدّت میں گمراہ ہو گئے۔ صرف ۴۰ رات موسیٰ علیہ السّلام نے دعوت کا کام نہیں کیا، میں یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ صرف ۴۰ رات موسیٰ علیہ السّلام نے دعوت کا عمل نہیں کیا، ۴۰ رات موسیٰ علیہ السّلام عبادت میں مشغول رہے، اور اس ۴۰ رات کے عرصے میں ۵ لاکھ ۸۸ ہزار بنی اسرائیل سب کے سب بچھڑے کی عبادت پر جمع ہو گئے۔"

سمجھنے والے سمجھ گئے کہ کس قدر خطرناک بات انھوں نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام ایک جلیل القدر نبی ہیں۔ ان پر کس طرح حملہ کیا گیا۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے گویا اپنی مرضی سے (تنہائی میں عبادت کا شوق پورا کرنے کے لیے) دعوت چھوڑ دی تھی۔ نیز کس طرح انھوں نے بنی اسرائیل کے شرک میں مشغول ہونے کو ان کے سر پر تھوپ دیا!!

حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے جبلِ طور پر بلایا۔ ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل کے چند لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لانے کا حکم ہوا[1]۔ نیز جبلِ طور میں چالیس رات قیام کرنے کا

---

[1] سب کو نہیں؛ ورنہ وہ نکلتے وقت ہارون علیہ السّلام سے ﴿ اخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ......... ﴾ کے بجائے یہ کہتے کہ آپ اِن کو لے آیئے، میں آگے چلتا ہوں، اور واپسی کے بعد ﴿ مَا مَنَعَكَ...... ﴾ کہنے کے بجائے یہ کہتے کہ اُن کو لے کر میرے پیچھے کیوں روانہ نہیں ہوئے تھے؟ اگر منتخب قوم کو موسیٰ علیہ السّلام اپنے ساتھ لے کر روانہ نہ

بھی حکم ہوا۔ حکمِ خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السّلام چند لوگوں کو ہمراہ لے کر جبلِ طور کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت حضرت ہارون علیہ السّلام سے کہا:

﴿ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾

(سورة الأعراف (٧) ١٤٢)

یعنی: میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا، اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا۔

منتخب لوگوں کو ہمراہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام جبلِ طور کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب پہنچنے کے بعد محبّت اور شدّتِ شوق کی وجہ سے وہ انھیں پیچھے چھوڑ کر آگے چلے گئے۔ اس طرح میقات تک پہلے پہنچ گئے۔

﴿ وَ مَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰى ۝٨٣ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ ﴾ (سورة طه (٢٠): ٨٣-٨٤)

یعنی: موسیٰ! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں آگئے؟ انھوں نے کہا، وہ میرے پیچھے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، اور پروردگار! میں آپ کے پاس اس لیے جلدی آگیا، تاکہ آپ خوش ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ہوئے ہوتے تو محض ظن کی بنیاد پر وہ جزم کے ساتھ کیسے کہتے: ﴿ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ ﴾ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ﴿ وَ مَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ ﴾ میں مذکور «قوم» اور ﴿ قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ ﴾ میں مذکور «قوم» ایک نہیں۔ اوّل الذّکر قوم وہ منتخب لوگ ہیں جن کو موسیٰ علیہ السّلام ساتھ لے کر نکلے تھے بعد میں وہ ان سے آگے بڑھ گئے، اور ثانی الذّکر وہ قوم ہے جنھیں ہارون علیہ السّلام کی نگرانی میں چھوڑ آئے تھے۔ صرف جوار فی الذّکر سے دونوں کا مصداق ایک سمجھنا واقعۂ نفس الامر کے بارے میں بے خیالی اور تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے عدمِ استحضار کا نتیجہ ہے۔ یہ تو سابق بعض متساہلین کا معاملہ ہے؛ لیکن مولانا سعد صاحب کا معاملہ اس تسامح میں منحصر نہیں، انھوں نے تو شذوذ اور جرئت کی انتہاء کردی۔ کما رأیته وستراه (منة).

«كان الله عالما ولكن قال: وما أعجلك عن قومك، رحمة لموسىٰ، وإكراما له بهذا القول، وتسكينا لقلبه، ورقة عليه، فقال مجيبا لربه: هم أولاء علىٰ أثري.» (تفسیر قرطبی: ۱۱/۲۳۳، تفسیر البسیط، امام واحدی، ۱۴/۴۸۷)

حضرت ابن عبّاسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کیوں پہلے آ گئے۔ اس کے باوجود اکرام اور اظہارِ محبّت کے طور پر سوال کیا گیا۔ جواباً حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے میرے رب! وہ تو میرے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، میں ذرا پہلے آ گیا ہوں آپ کے حصولِ رضامندی کے شوق سے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو بنی اسرائیل کے حالات کی خبر دی، جن کو انھوں نے حضرت ہارون علیہ السّلام کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ خبر دی کہ ان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور اس آزمائش میں وہ لوگ ناکام ثابت ہوئے۔ بنی اسرائیل حضرت ہارون علیہ السّلام کی نصیحت نہیں سنی؛ بلکہ سامری کی سازش میں پھنس کر گمراہ ہو گئے۔

یہ ہے واقعہ کی حقیقت۔ سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں اس واقعے کا تذکرہ موجود ہے۔ سورۂ بقرہ کی ۵۱ ویں آیت، سورۂ طٰہٰ کی ۸۰ اور ۸۶ ویں آیت اور سورۂ اعراف کی ۱۴۲ ویں آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا جبلِ طور پر جانا یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ سورۂ اعراف کی ۱۴۸-۱۵۴ ویں آیتوں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جبلِ طور کے اسی سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ''تورات'' سے سرفراز کیا گیا تھا۔ سورۂ اعراف کی ۱۴۲ ویں آیت میں ارشاد ہوا:

﴿ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝﴾ (سورة الأعراف (٧): ١٤٢)

یعنی میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا،اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا۔

حضرت ہارون علیہ السّلام بھی نبی تھے۔مزید برآں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان کو اپنا قائم مقام بنا کر فرمایا:

﴿ وَ اَصۡلِحۡ وَ لَا تَتَّبِعۡ سَبِيۡلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝ ﴾

یعنی تمام معاملات درست رکھنا،اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا۔

سورۂطٰہ کی ۹۱-۹۴ویں آیات میں صاف مذکور ہے کہ حضرت ہارون علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نصیحت کے مطابق عمل بھی کیا تھا؛لیکن بنی اسرائیل کی جہالت کی وجہ سے وہ اس آزمائش میں ناکام ہوگئے۔سامری کے دھوکے میں پھنس کر بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئے۔

یہ ہے قرآنِ کریم میں مذکور واقعہ کی تفصیل۔حالاں کہ مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام قوم کو ساتھ لانے کے بجائے ان کو چھوڑ کر آگئے۔اس کے بعد جبلِ طور پر چالیس رات عبادت میں مشغول رہے۔چالیس رات حضرت موسیٰ علیہ السّلام دعوت کے کام کے بجائے عبادت میں مگن رہے۔اسی چالیس رات کے دوران پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کرنا شروع کردیں۔نعوذ باللہ۔انّاللہ وانّاالیہ راجعون۔

اب آپ لوگ غور فرمائیں کہ کیا یہ محض حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر اعتراض ہے یا حکمِ خداوندی پر بھی اعتراض ہے؟ حکمِ خداوندی پر بھی اعتراض ہے۔کیا یہ کوئی معمولی غلطی ہے؟نبی کی شان میں گستاخی کوئی معمولی غلطی ہے؟ان کی بے خیالی میں ہو یا انجانے میں ہو حکمِ خداوندی پر آنچ آتا ہے کہ نہیں؟ کیا فرمایا انھوں نے کہ بنی اسرائیل گمراہ اس لیے ہوگئے تھے کہ موسیٰ علیہ السّلام چالیس

رات دعوت کا کام چھوڑ کر عبادت میں لگ گئے تھے۔ ۵ لاکھ ۸۸ ہزار بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے محض حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دعوت کا کام ترک کر دینے کی وجہ سے۔ نعوذ باللہ۔

کیا آپ لوگ نماز کے وقت دعوت کا کام کرتے ہیں؟ فرض نماز چھوڑ کر دعوت کا کام کرنا جائز ہے؟ نہیں نا۔ کیوں کہ بر وقت فرض نماز کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب الاذعان حکم ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا جبلِ طور پر جانے کا۔ وہ اللہ کے حکم سے جبلِ طور پر گئے تھے۔ اب آپ کہہ رہے ہے کہ انھوں نے دعوت چھوڑ دی۔ جب آپ ظہر کی چار رکعت فرض پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ دعوت کا کام کرتے ہیں؟ گشت کا عمل کرتے ہیں؟ عصر کی فرض کے وقت گشت کرتے ہیں یا فرض کے بعد؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام تو اللہ کے حکم سے چالیس رات کے لیے اللہ کے پاس گئے تھے۔ گویا مولانا سعد صاحب کی چاہت یہ ہے کہ اس فرض حکم کے بجائے دعوت کا کام کرنا چاہیے۔ ظہر وغیرہ فرض نمازوں کو چھوڑ کر دعوت کا کام کرنا چاہیے۔ فرض کیجیے چار رکعت فرض ادا کرنے میں ۱۰/۱۲ منٹ وقت صرف ہوگا۔ اتنا وقت بھی آپ کیوں دعوت کا کام چھوڑیں گے؟ اس دس بارہ منٹ میں اگر کوئی آدمی آپ کی دعوت سے نمازی بن جاتا ہے تو کیا برائی ہے؟ اچھا ہی تو ہے۔ خیال کیا آپ لوگوں نے کہ آخر معامعاملہ کیا سے کیا بنا؟

ان کے اندازِ کلام سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ﴿ وَ مَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ یٰمُوۡسٰی ﴾ اس آیت کے «قوم» اور اس کے بعد والی آیت کے «قوم» کو یعنی ﴿ قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴾ میں جو «قوم» ہے ان دونوں کو ایک سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ صحیح قول کے مطابق دونوں الگ الگ ہیں

۔ ﴿ وَ مَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ ﴾ اس آیت میں جس قوم کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام ساتھ لے گئے تھے۔ ان میں کوئی گمراہ ہو گیا ہو ایسی کوئی بات کیا کوئی صحیح

روایت میں موجود ہے ؟ یہ لوگ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ہمراہ ہی ہیں۔ یہ کچھ پیچھے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ آگے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کچھ آگے چلے گئے۔ جو قوم گمراہ ہوئی وہ حضرت ہارون علیہ السّلام کے پاس تھی۔ اس سورہ میں دونوں آیت ایک ساتھ ہیں؛ لیکن پہلی آیت اور دوسری آیت کے «قوم» کی مراد الگ الگ ہے۔ گمراہ ہونے والی قوم سے وہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ مراد ہے جو حضرت ہارون علیہ السّلام کے ساتھ ان کی نگرانی میں تھے۔ انھوں نے ان کو ہزار و سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ مانی۔ بلکہ سامری کے دھوکے میں آکر گمراہ ہو گئے۔

ایک ساتھ بہت سی منکر باتیں سرزد ہوئی

(ایک) حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر اعتراض کیا گیا کہ انھوں نے دعوت کا کام چھوڑ دیا تھا۔

(دو) حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے سر پر بنی اسرائیل کے گمراہ ہونے کا جرم تھوپ دیا گیا۔

(تین) حضرت موسیٰ علیہ السّلام جبلِ طور پر گئے تھے حکمِ خداوندی سے؛ حالاں کہ مولانا سعد صاحب کی باتوں سے لازم آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام خود بہ خود چلے گئے تھے۔ نعوذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ سامری کی وجہ سے قوم گمراہ ہوئی؛ حالاں کہ مولانا سعد صاحب اس کا الزام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دے رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ میں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ کیا یہ چھوٹی غلطی ہے ؟

اب آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے تو اس سے رجوع کیا۔ رجوع کے بارے میں تو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ پہلے رجوع نامے میں کہا گیا کہ میں علمی مراجع بھیجوں گا۔ کیا اس کا نام رجوع ہے ؟ گمراہی کی باتوں کے دلائل بھیجیں گے ! اگر یہ گمراہ کن باتیں کسی کتاب میں موجود بھی ہوں پھر وہاں کا حوالہ دیا جائے تو کیا اسے قبول کر لیا جائے گا؟

یاتو وہ کتاب ہی غیر معتبر ہے یااس کتاب کی یہ باتیں غیر معتبر ہیں۔علمائے کرام ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔آپ حوالے کی بات کر رہے ہیں! گمراہی کی باتوں کا بھی کوئی حوالہ ہوتا ہے ؟اگر کوئی حوالہ پیش کیاجائے تووہ غلط ہے۔گمراہی کی باتوں کا صحیح حوالہ ممکن ہی نہیں۔

دوسرے رجوع نامے میں حوالے کی بات نہیں کی۔صاف الفاظ میں رجوع کیا گیا؛لیکن اس کے صرف دودن بعد خود مرکز نظام الدّین کے ممبر پر بیٹھ کران باتوں کو دہرایا گیا۔یہ رجوع کے ساتھ کھیل نہیں تو کیا ہے ؟

دوسرے رجوع نامے کے بعد ان باتوں کو دہرانے سے پہلے جب دار العلوم دیوبند نے کہا کہ آپ کا رجوع قابلِ قبول ہے۔اب ہم مطمئن ہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ بڑے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔غلطی ہوجانے پر رجوع کر لیتے ہیں۔ہچکچاتے نہیں۔بہر حال دارالعلوم دیوبند نے ان کا رجوع قبول کیااور نیاموقف لکھ کر بھیج دیا؛لیکن اسی دن بعد نمازِ فجر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں سابقہ نازیبا باتیں دہرانے کی وجہ سے دارالعلوم نے اپناخط واپس لے لیا۔مولانا سعد صاحب چاہتے ہیں کہ دار العلوم دیوبند ان کے بارے میں اپنا موقف تبدیل کرے؛لیکن اس کے لیے تو ان خطرناک غلطیوں کی اصلاح ضروری ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کی اصلاح کے بغیر ہی دار العلوم دیوبند اپنا موقف تبدیل کرے۔یہ تو ممکن نہیں۔

اس کے ایک مہینہ بعد مولانا سعد صاحب نے ایک اور رجوع نامہ بھیجا۔یہ ہے تیسرا رجوع نامہ۔اس میں انھوں نے چند باتوں سے بلا مشروط رجوع کیا؛لیکن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں لکھاکہ میں نے جو کچھ کہاوہ تو فلاں کی باتوں سے متبادر ہوتا ہے۔فلاں جگہ سے سمجھ میں آتا ہے۔

حالاں کہ ان کی غلطیوں میں سب سے خطرناک غلطی یہی تھی۔اسی میں انھوں نے سینہ زوری کی۔سب سے پہلے تواس خطرناک غلطی سے بلاچوں وچرارجوع کرناچاہیے تھا۔اسی میں اپنی طرف سے دلائل پیش کرنے لگے۔

وہ فرماتے ہیں میرے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔میں نے جو کہاوہ باطل نہیں زیادہ سے زیادہ مرجوح ہے۔میری بات باطل نہ ہونے کے باوجود میں رجوع کرتاہوں۔نعوذ باللہ۔

فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ یہ کس طرح کارجوع ہے؟بعض باتوں سے توبلامشروط رجوع کیااور بعض باتوں پر حوالے کی بات جوڑدی۔تب دارالعلوم نے ان کے دلائل کاجواب دے کر یہ لکھ کر بھیجاکہ آپ کے یہ دلائل بے سود ہیں۔موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ کی باتیں مرجوح نہیں ؛بلکہ سراسر باطل ہیں۔اُن باطل باتوں کوثابت کرنے کے لیے آپ نے جن حوالوں کاسہارالیاہے ان سے آپ کاموقف ثابت نہیں ہوتا۔لہٰذاحضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں آپ نے جو بات کہی ہے اس سے بلامشروط رجوع کیجیے۔یہ رجوع گھر کی چہار دیواری میں بیٹھ کر کرناکافی نہیں؛آپ نے چوں کہ لاکھوں کے مجمع کے سامنے بیان کیاہے اس لیے آپ کو لاکھوں کے مجمع ہی میں رجوع کرنا چاہیے۔

اب ان کاچوتھارجوع نامہ آیا۔چوتھے رجوع نامے میں یہ لکھ کر بھیجاکہ ٹھیک ہے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں بھی بلامشروط رجوع کرتاہوں۔دارالعلوم کے مہتمم صاحب نے یہ رجوع نامہ قبول نہیں کیا۔انھوں نے فرمایاکہ ہمارے پاس رجوع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔چوں کہ انھوں نے لاکھوں کے مجمع میں بات کہی،اس لیے لاکھوں کے مجمع ہی میں رجوع کرناپڑے گا۔دار العلوم دیوبند کے مہتمم صاحب نے یہ کام بالکل صحیح کیا۔اب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کے رجوع کی کیاحقیقت ہے۔

اس بارے میں یہ بھی علم میں رہنا ضروری ہے کہ ۱۴۳۴ھ میں جب انھوں نے ''ہتھوڑا باندہ'' کے اجتماع میں ان باتوں کو اور بھی سخت الفاظ میں بیان کیا تھا اس وقت حضرت مولانا مفتی زید مظاہری ندوی دامت برکاتہم نے ان کو تفصیلی خط کے ذریعہ متنبّہ کیا تھا۔افسوس کہ انھوں نے ان مدلل اور ناصحانہ خط کی کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں مولانا سعد صاحب کا غلو کس حد تک پہنچ چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں غلط بیانی

۱۳/ربیع الاوّل کی اسی تاریخ کو حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں یہ بیان دیا:

''یوسف علیہ السّلام بڑے سخت حالات میں تھے، تہمت لگی تھی عزیزِ مصر کے گھر سے،اور بہت سخت حالات تھے؛لیکن دو چیزیں اللہ دیکھنا چاہتے ہیں داعی سے۔ایک تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہو کر دعوت الی اللہ چھوڑ تو نہیں دیتا۔ایک یہ دیکھتے ہیں اللہ انبیاء علیہم السّلام کو کہ یہ حالات سے پریشان ہو کر ہمارے غیر سے مدد تو نہیں چاہتے؟ دوسرے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہو کر دعوت الی اللہ کا عمل چھوڑ تو نہیں دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پھر یوسف علیہ السّلام نے ان کو ان کے خواب کی تعبیر بھی بتلادی اور یہ خیال ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جیل سے رہا ہو کر اور باعزّت بری ہو کر بادشاہ کے پاس جائے گا،لہذا بادشاہ کے پاس پیغام پہونچادوں۔سنو دھیان سے کہ یوسف علیہ السّلام نے اتنے عرصے سے جیل میں ہے کچھ اس کے مقدّمے پر غور کر لیا جائے اور اس کو جیل سے رہا کر دیا جائے،اللہ کی شان یوسف علیہ السّلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی،یوسف علیہ السّلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی،یوسف علیہ السّلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی کہ یوسف علیہ السّلام نے جیل سے نکلنے کے لیے ہم سے کیوں نہیں کہا؟

داعی کے لیے یہ دو چیزیں انتہائی ضروری ہیں،انتہائی ضروری کہ جب اس کے راستے میں کوئی حال آئے تو وہ اپنے حال کو اس سے کہے جس کی طرف سے پیغام لے کر بھیجا ہوا ہے۔ دنیا میں آپ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے لیے بھیجیں اگر اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیش آئے گی یا اسے کوئی دقّت پیش آئے گی تو وہ رجوع کرے گا اور رابطہ کرے گا بھیجنے والے سے، جس نے کام کے لیے بھیجا ہے اس سے ہی رابطہ کرے گا کہ آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ میرے کام میں رکاوٹ پیش آگئی میں کیا کروں؟ یوسف علیہ السّلام نے رہا ہونے والے سے فرمایا:

﴿ اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ (یوسف: ٤٢)

کہ میرا تذکرہ کردینا بادشاہ کے سامنے

﴿ فَأَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ (یوسف: ٤٢)

شیطان نے یوسف علیہ السّلام کو یوسف علیہ السّلام کے رب کی یاد بھلادی۔اس کے بعد یوسف علیہ السّلام عرصہ جیل میں رہے۔''

دیکھیے حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں مولانا سعد صاحب نے کیا کہا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کے بجائے غیر اللہ کی طرف رجوع فرمایا! نعوذ باللہ۔مزید یہ کہا کہ شیطان نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو اللہ کی یاد بھلادی۔

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام سالہا سال جیل خانے میں مقیّد رہے۔ان پر ظلم اور ناانصافی کر کے ان کو جیل بھیجا گیا تھا۔سورۂ یوسف میں کچھ واقعات مذکور ہیں۔سورۂ یوسف کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ان کو دو آدمی نے خواب کی تعبیر پوچھی تھی۔انھوں نے تعبیر بتلادی۔ان میں سے ایک کے بارے میں بتلایا تھا کہ وہ نجات پائے گا۔دوسرے کے بارے میں بتلایا تھا کہ نجات نہیں پائے گا۔اللہ کے حکم سے معاملہ ایسا ہی ہوا۔جس

کے بارے میں بتلایا تھا کہ نجات پائے گا اسے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا تذکرہ کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اسے کیا تذکرہ کرنے کے لیے بتایا تھا قرآنِ کریم میں مذکور نہیں۔ انھوں نے تو جیل خانے میں بھی توحید کی دعوت دی تھی۔ ممکن ہے کہ توحید کے بارے میں بتلانے کے لیے کہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بے گناہ اور بے قصور آدمی کو ظلماً جیل خانے میں مقیّد کیا گیا ہے اس بارے میں بتلانے کے لیے کہا ہو۔ یہ دونوں امکانی صورت ہیں۔ قرآنِ کریم میں ان میں سے کسی بھی صورت کی تصریح نہیں۔ بہر حال قرآنِ کریم میں صرف اتنا کہا گیا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس میرا تذکرہ کرنا۔ اس کے بعد قرآن کریم میں ہے:

﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ (یوسف: ٤٢)

یعنی وہ آدمی نجات پانے کے بعد بادشاہ کے پاس اس بارے میں تذکرہ کرنے سے بھول گیا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام علیٰ حالہ جیل خانے میں ہی رہے۔ ﴿ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾ اور بھی سات سال یا اس سے بھی زیادہ۔ قرآن کریم کی یہ آیت:

﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ (یوسف: ٤٢)

اس آیت کا ترجمہ جو سیاق وسباق سے متعیّن ہے نیز شانِ رسالت کے مطابق بھی ہے وہ یہ ہے کہ جیل خانے سے نجات پانے والے آدمی کو شیطان نے اپنے بادشاہ کے پاس حضرت یوسف علیہ السّلام کا تذکرہ کرنے سے بھلادیا۔ یہ ہے آیتِ مذکوہ کا صحیح ترجمہ۔

لیکن مولانا سعد صاحب نے آیت کا کیا ترجمہ کیا؟ شیطان نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو اللہ کی یاد بھلادی۔ نعوذ باللہ۔ اور چوں کہ انھوں نے غیر اللہ کے پاس مدد مانگی اس لیے ان کو اور بھی کئی سال جیل خانے میں رہنا پڑا۔

خواب کی تعبیر بتلانے سے پہلے ان کو توحید کی دعوت دی تھی۔ شرک سے بچنے کی دعوت دی تھی کیا یہ اللہ کی یاد نہیں۔

کیا حقیقتاً حضرت یوسف علیہ السّلام نے غیر اللہ کے پاس مدد مانگی۔ کیا یہ نبی کی شان ہے کہ وہ غیر اللہ کے پاس مدد مانگے۔ کوئی اگر کسی سے یہ کہے کہ بھائی تم اپنے بادشاہ سے یہ کہنا کہ ایک معصوم آدمی کو جیل خانے میں مقیّد رکھا گیا۔ کیا یہ غیر اللہ کے پاس مدد مانگنا ہے؟ یہ تو ہے جائز وسائل کا جائز استعمال۔ انبیائے کرام سے تو ہمیں شریعت ہی سیکھنا ہے۔ کون سا جائز اور کون سا ناجائز یہ تو انبیائے کرام ہی کر کے دیکھائیں گے۔ کسی بے قصور آدمی کو ظلماً جیل میں مقیّد کیا گیا اب انھوں نے کسی کو بادشاہ کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ تم باشاہ کے پاس جا کر میرے بارے میں بتلانا کہ مجھے ظلماً جیل میں قید کیا گیا بادشاہ سلامت ذرا معاملے کی تحقیق فرمائے۔ تو یہ بالکل جائز ہے۔ اور اس کا جائز ہونا حضرت یوسف علیہ السّلام کے مذکورہ عمل سے مستفاد ہوتا ہے۔

یہ جائز ہے کہ نہیں یہ بھی تو ہم انبیائے کرام ہی سے سیکھیں گے۔ انبیائے کرام کی سیرت سے سیکھیں گے؛ لیکن مولانا سعد صاحب الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ الٹا حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض کر بیٹھے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلا کو غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وجہ سے مزید طویل مدّت تک جیل خانے میں رہنا پڑا۔

اب اگر ان کے حواریّین یہ دعویٰ کریں کہ ہمارے پاس حوالے موجود ہیں۔ تو معاملہ کیا بنے گا؟ اس طرح کی گمراہی کی باتوں کا اگر کوئی حوالہ ہو بھی تو کیا اسے قبول کیا جائے گا؟ بلکہ اس سے لوگوں کو تنبیہ کی جائے گی کہ خبردار! یہ گمراہی کی بات ہے، اسے تسلیم نہ کیا جائے۔

گمراہی کی باتوں کا کیا حوالہ پیش کیا جائے گا علمائے کرام یہ بات بخوبی جانتے ہیں۔ یا تو کوئی منکر

روایت پیش کی جائے گی یا پھر کسی کے تسامح کا سہارا لیا جائے گا۔ یا کسی کے کلام کا سیاق وسباق سمجھے بغیر توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے گا۔ کسی غلطی کی طرف داری کا یہی تو طریقہ ہے۔

تو کیا ان کی غلطیاں معمولی ہیں؟ دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتانے کے لیے قرآن و حدیث میں کیا صحیح باتوں کی کمی ہے؟

ان کو غلو کرنے کی کیا ضرورت پڑی؟ غلو کے لیے تو کوئی صحیح حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا؛ اس لیے اپنے غلو کو ثابت کرنے کے لیے انبیائے کرام کی سیرت کو مسخ کرکے ان کی غلطی پکڑنے کا سہارا لیتے ہیں۔

سامنے چلنے سے پہلے یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مولانا سعد صاحب حفظہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں غلط بیانی سے تو رجوع کیا؛ چاہے وہ رجوع جیسا بھی ہو، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں انھوں نے جو نازیبا بات کہی ہے اس سے اب تک ہمارے علم کے مطابق رجوع نہیں کیا۔

اب تک میں نے صرف ان کی غلطیوں کی ایک جہت کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کی ہے۔

سرکارِ کائنات کے بارے میں نازیبا اسلوبِ بیان

"اورنگ آباد" کے اجتماع میں انھوں نے ولیمہ کے بارے میں بیان کیا۔ اس وقت خود نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہوئے انھوں نے معترضانہ انداز اختیار کیا۔ نہایت ہی غلط اسلوب تھا۔ ویسے ان کی گفتگو کا موضوع اچّھا ہی تھا؛ لیکن باتوں میں غلو تھا۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ شریعت میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔

انھوں نے کہا کہ اسراف نہ کرنا چاہیے۔ اچّھی بات ہے۔ اسراف کے بھی تو درجات ہیں۔ ہر خرچہ کو آپ اسراف نہیں کہہ سکتے۔ تو ولیمہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ

رسولِ خدا ﷺ کبھی ولیمہ میں صرف پنیر کھلاتے تھے۔ کبھی صرف کھجور یا چھوہارے، ان کے دعویٰ کے مطابق۔ گوشت روٹی سے ولیمہ آپ ﷺ نے کبھی نہیں کیا؛ بلکہ ان کا معمول ہی تھا کھجور اور پنیر وغیرہ سے ولیمہ کرنا۔ صرف ایک مرتبہ اس کا خلاف ہوا۔ایک مرتبہ صرف گوشت روٹی سے ولیمہ کیا۔

مولانا سعد صاحب کے الفاظ میں:

''شادیوں میں اسراف سے بچو، جتنا اسراف زیادہ ہوگا اتنی اذیّت ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام شادیوں میں کہیں پنیر کھلایا، کہیں کھجوریں تقسیم کردیں، کہیں چھوہارے بکھیر دیے۔ فرمایا کھاؤ تمھاری ماں کا ولیمہ ہے۔ آج اگر کوئی چھوہارے کھلادے ولیمہ میں تو کوئی ولیمہ نہ مانے گا، کوئی اس کو ولیمہ نہیں مانے گا؛ حالاں کہ یہ عینِ سنّت ہے۔آپ کی ایک شادی نہیں ساری شادیاں ایسی ہی ہوئی ہیں۔ سوائے حضرت زینبؓ کے کہ اس میں آپ نے گوشت روٹی کا انتظام کیا، حضرت زینب اس پر فخر کرتی تھی کہ میرے نکاح میں گوشت روٹی کا انتظام ہوا ہے۔اللہ کی شان کہ آپ کی جو شادی آپ کے معمول سے ہٹی اسی شادی میں آپ کو اذیّت ہوئی۔ عجیب بات ہے جو شادی آپ کی آپ کے معمول سے ہٹی اسی میں آپ کو اذیّت ہوئی۔ سوچنے کی بات ہے ہم غور کریں کہ اگر محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت روٹی کے انتظام کی وجہ سے آ کر بیٹھنے والوں کے انتظار سے اذیّت ہوئی، اس سے اندازہ کرلو کہ ہم آپ کی گوشت روٹی کی سنّت سے کتنے آگے بڑھ گئے ہیں۔اب اذیّتوں کی قرضوں کی پریشانیوں کی سود کی اور قرضوں میں دب جانے کی کتنی قسم کی اذیتیں آگئیں۔ اگر محمّد ﷺ کو گوشت روٹی کی وجہ سے اذیّت ہوسکتی ہے، تو ہم آپ کے اس طریقۂ سنّت سے کتنے دور گئے؟!''

مولانا سعد صاحب فرمارہے ہیں کہ صرف حضرت زینبؓ کے نکاح میں گوشت روٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ خود آں حضور ﷺ اپنے معمول سے ہٹ گئے تھے۔ صرف ایک شادی

میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمول سے ہٹ گئے تھے۔اس کا مطلب تو یہ ٹھہرا کہ آں ﷺ گوشت روٹی سے ولیمہ کر کے اپنی ہی سنّت سے ہٹ گئے تھے۔اس وجہ سے ان کو اس شادی میں اذیّت ہوئی۔ نعوذ باللہ۔

اپنے معمول اور اپنی سنّت سے ہٹنے کی وجہ سے آں حضور ﷺ کو اذیّت ہوئی، کیا یہ بات قابلِ اعتراض نہیں؟ یہ بات قابلِ گرفت ہے کہ نہیں؟

غور فرمایئے مذکورہ بالا باتوں میں ایک ساتھ بہت سی چیزیں قابلِ گرفت ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جزم کے ساتھ یہ کہنا کہ سوائے اس شادی کے کسی اور شادی میں گوشت کا انتظام نہیں کیا قابلِ اشکال ہے۔ ملاحظہ ہو (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج:۲۰، ص:۱۵۵؛ فتح الباری، ج:۹، ص:۱۴۶، ۵۱۷۱ نمبر حدیث کے ماتحت)۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کس شادی میں صرف پنیر سے ولیمہ کیا؟ اس بات کی کوئی دلیل تو پیش کیجیے؟

تیسری بات یہ ہے کہ کیا صحیح حدیث میں یہ بات نہیں ہے کہ «أولم ولو بشاة» ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سے ہو؟

مولانا سعد صاحب فرما رہے ہیں کہ جب رسولِ کریم ﷺ کو اپنے معمول کے خلاف کام کرنے کی وجہ سے اذیّت ہوئی تو پھر ہم لوگ گوشت روٹی کی سنّت کو چھوڑ کر اور بھی کتنی دور چلے گئے! ہم کس قدر اسراف میں مبتلا ہے تو ہماری کیا حالت بنے گی؟ بات تو صحیح ہے؛ لیکن اندازِ گفتگو جو اختیار فرمایا کیا وہ ناشائستہ نہیں؟ اس سے رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گویا اپنی ہی سنّت کے خلاف کیا، جس وجہ سے انھیں اذیّت پہونچی، انھیں اپنے معمول پر رہنا ہی اچّھا تھا، صدر کلام

میں سعد صاحب نے کہا ہے اسراف جتنا زیادہ ہوگا اتنی اذیّت ہوگی،اس کے ساتھ ان کی اس بات کو ملایئے: ’’اللہ کی شان کہ آپ کی جو شادی آپ کے معمول سے ہٹی اسی میں آپ کو اذیّت ہوئی!!‘‘

سامنے چل کر خود انھوں نے ہی فرمایا کہ گوشت روٹی بھی سنّت ہے۔اس گوشت روٹی کی سنّت سے ہم بہت دور نکل گئے۔تو خود ان کے کہنے کے مطابق گوشت روٹی بھی سنّت ہے، کھجور چھوہارے بھی سنّت ہے۔اگر دونوں سنّت ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے سنّت کے خلاف کیا کیا؟حضرت زینبؓ کے نکاح میں گوشت روٹی کا انتظام کرنا بھی اگر سنّت ہے، حقیقتاً بھی یہ سنّت ہے تو پھر کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اذیّت پہونچ سکتی ہے؟سنّت پر عمل کرنا باعثِ تکلیف کیوں ہوگا؟

خدارا ذرا سوچیے تو سہی ہم جن کی سنّت کی اتّباع پر مامور ہیں انھی کے بارے میں یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ ان کو اپنی سنّت سے ہٹنے کی وجہ سے اذیّت پہونچی۔اذیّت تو اللہ کے حکم سے پہونچتی ہے۔اس کی کوئی بھی وجہ ہوسکتی ہے۔کہاں کیا وجہ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔یہ کیسے امّتی ہے کہ نبی کی اذیّت کی ایسی توجیہ پیش کررہے ہیں، جس سے یہ متصوّر ہوتا ہے کہ نبی نے کوئی غلطی کی جس کی وجہ سے ان کو اذیّت پہونچی۔

مولانا سعد صاحب کس دلیل کی بنیاد پر یہ بات فرمارہے ہیں کہ گوشت روٹی سے ولیمہ کرنے کی وجہ سے اذیّت پہونچی۔حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں تو گوشت روٹی سے ولیمہ نہیں ہوا تھا؛حالاں کہ وہاں تو اور بھی زیادہ اذیّت پہونچی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہاں بھی ان کا وہی مزاج کارفرما ہے کہ انبیائے کرام کی سیرت وسوانح کا تذکرہ کرتے وقت اپنی فہم اور سمجھ کے مطابق رائے زنی کی جاسکتی ہے،اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے۔سیرت کا مذاکرہ حصولِ ہدایت کے لیے ہونا چاہیے۔نقص نکالنے کے لیے نہیں، تبصرہ کرنے کے لیے نہیں۔کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو فقہائے کرام سے مراجعت کرنے میں کیا حرج ہے؟

یہاں یہ بات بہ طور خاص قابلِ توجّہ ہے کہ اگر گوشت روٹی سے ولیمہ کرنا ہی اذیّت کا سبب ہے تو پھر رسول کریم ﷺ نے صحابی سے کیوں فرمایا کہ «أولم ولو بشاة» ولیمہ کروا گرچہ ایک بکری ہی سے کیوں نہ ہو۔

اسی لیے میں نے عرض کی کہ انبیائے کرام کی سیرت و سوانح کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا یہ ہر گز مناسب نہیں۔ وہ اگر چاہتے تو اس طرح بھی تو بتا سکتے تھے کہ رسول کریم ﷺ چوں کہ عموماً کھجور اور چھوہارے سے ولیمہ کیا کرتے تھے اس لیے ہم بھی کھجور اور چھوہارے سے ولیمہ کرنے کی کوشش کریں۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کیا صرف مجلسِ عقد میں کھجور اور چھوہارے بکھیرنا ہی ولیمہ ہے یا دونوں الگ الگ ہیں۔ یہ بات کسی دار الافتاء سے معلوم کرلیں۔

بہر حال اب اگر علمائے کرام ان سے یہ کہے کہ ان امور کی اصلاح ہونی چاہیے۔ تو یہ فیصلہ آپ خود فرمایئے کہ علمائے کرام حق بجانب ہیں کہ نہیں؟ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ "اورنگ آباد" کا یہ بیان ان کے چھٹے رجوع کے بعد کا ہے۔ رجوع کی طرح رجوع اگر ہو تو ایک ہی مرتبہ رجوع کرنا کافی ہے۔ پانچوے رجوع کے چند ہی دن بعد انھوں نے کتنی منکر اور باطل باتیں بتائیں اس کی ایک مختصر فہرست مفتی خضر محمود قاسمی صاحب کی کتاب میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ انھوں نے دن تاریخ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور چھٹے رجوع کے بعد تا ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

اب تو وہ نئے نئے بدعتی اصول ایجاد کرنا شروع کر دیے ہیں!! اس بارے میں ان شاء اللہ بعد میں کبھی بات ہو گی۔

اب تک میں نے ان کی غلطیوں کا صرف ایک پہلو کا ذکر کیا کہ وہ دین کے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھ پاتے۔ محتاط نہیں رہ پاتے۔ ایسا صرف صحابۂ

کرام،اولیائے کرام اور علمائے کرام کے بارے ہی میں نہیں ہوا؛ بلکہ انبیائے کرام کے بارے میں بھی ہوا ہے۔ علمائے کرام کو تو وہ بلا استثناء ''علمائے سو'' کے لقب سے بہت پہلے ہی نواز چکے ہیں۔ صحیح مسئلہ بتانے والے علمائے کرام ان کی نظر میں ''علمائے سو'' ہیں۔اور وہ جو غلط مسئلہ بتاتے ہیں جس سے بعد میں رجوع بھی کر چکے ہیں۔ یہ غلط مسئلہ ارشاد کرتے وقت بتایا کہ جو لوگ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں وہ ''علمائے سو'' ہیں؛ حالاں کہ خود غلط مسئلہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ صحیح مسئلہ بتانے والے علمائے کرام کو ''علمائے سو'' کہنا اچّھا ہے یا برا؟ یہ چھوٹی غلطی ہے یا بڑی؟ ایک طرف تو خود ہی فرما رہے ہے کہ علمائے کرام کو اپنا محسن اور مقتدیٰ سمجھو۔ دوسری طرف خود ہی صحیح فتویٰ دینے والے علمائے کرام کو ''علمائے سو'' بتا رہے ہیں۔

صرف علمائے کرام کے بارے میں زبان بے لگام یا صرف اولیائے کرام کے بارے میں زبان بے لگام ایسا نہیں؛ بلکہ صحابۂ کرام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بھی زبان بے لگام ہو جاتی ہے۔ یہیں تک بس نہیں انبیائے کرام کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی ان کی زبان بے لگام ہو جاتی ہے۔ زبان شائستہ نہیں رہتی۔ ان کا اندازِ بیان سنّت کے مطابق نہیں ۔اہل السنّۃ والجماعہ کے مطابق نہیں۔ تو کیا یہ کوئی چھوٹی غلطی ہے یا بڑی؟ اصولی غلطی ہے یا جزوی؟ اصولی غلطی ہے۔

اب تک میں نے صرف ایک طرح کی غلطیوں کا تذکرہ کیا، ایک غلطی کا نہیں۔ اس طرح کی غلطیوں کا بھی صرف تین مثالیں پیش کیں۔ وہ بھی صرف انبیائے کرام کے بارے میں۔ ان کی اصولی غلطیوں کے بارے میں ایک تو یہ رہی۔

ان کی اصولی غلطیوں میں سے یہ بھی ہیں کہ (وقت کم ہونے کی وجہ سے میں صرف چند عناوین ذکر کرتا ہوں)

ا۔ بلا دلیل غیب سے متعلق باتیں بتاتے رہنا۔

۲۔ بدعت ایجاد کرتے رہنا۔

ا۔ دین کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اپنے گمان اور تخمین سے بات کرنا جائز نہیں۔ غیب سے متعلق بات جو محض وحیِ الہٰی کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انبیائے کرام کو غیب کی بہت سی باتوں کی خبر دی۔ چوں کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، لہٰذا اب اگر کوئی غیب سے متعلق محض اپنے گمان سے کسی بات کی خبر دینے لگے جس بارے میں سوائے علیم وخبیر خدائے لاشریک کے کسی کو خبر نہیں تو یہ سراسر حرام ہے۔

مولانا سعد صاحب کی ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ غیب سے متعلق باتوں کی خبر دیتے رہتے ہیں۔ غیب کی بات کا مطلب ہی یہ ہے کہ دلیل ندارد۔ قرآن وحدیث میں غیب کی جو باتیں موجود ہیں وہ تو قرآن حدیث میں ہے ہی۔ وہ تو بذیعۂ وحی موصول ہوئیں۔ ان سے ہٹ کر وہ غیب کی نئی نئی باتوں کی خبر دیتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی غلطی نہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اس طرح کی باتوں کی خبر دینا مولانا سعد صاحب کی ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔

۲۔ مولانا سعد صاحب کی ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ مخالفِ دلیل ایسے غلط مسائل اور غلط نظریّات ایجاد کرتے رہتے ہیں جو کسی صحابی، کسی تابعی اور کسی مجتہد سے ثابت نہیں؛ بلکہ ان کے موجد اور مختلق وہ خود ہے۔ اسے بدعت کہا جاتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی نے کوئی بدعت ایجاد کی، بعد والوں نے بلا سوچے سمجھے اس کی اتّباع کرنا شروع کر دی۔ یہ بھی گناہ ہے؛ لیکن بدعت ایجاد کرتے رہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ مولانا سعد صاحب آج کل یہ کام بھی بہ خوبی انجام دے رہے ہیں۔ کسی طرح کی دلیل کے بغیر؛ بلکہ مخالفِ دلیل محض اپنے گمان اور تخمین کے ذریعہ نئی نئی باتیں، نئے اصول اور نئے نئے نظریّات ایجاد کر رہے ہیں۔ ان دو طرح کی غلطیوں کی مثال پیش کرنے کا اب وقت نہیں۔ ویسے

غلطیوں کی اقسام بھی ختم نہیں ہوئیں۔ان دو طرح کی غلطیوں کے بارے میں تجزیہ کے بغیر مختصراً دو ایک باتیں عرض کرکے بس کرتاہوں۔

غیب سے متعلق باتوں کے نمونے

ان کی ایک غیبی بات مرکز نظام الدّین کے بارے میں ہے۔ان کی دلی آرزو ہے کہ وہ کتنی ہی غلط بات کیوں نہ کہتے رہیں سبھی کوان کے ساتھ مرکز نظام الدّین ہی میں رہناپڑے گا۔اس تمنائے دلی کو بر لانے کے لیے توضرورت اس بات کی تھی کہ پہلے وہ اپنے عقائد اور افکار و نظریات درست کرنے کی فکر کرتے۔یہ نہ کرکے الٹامرکز نظام الدّین کے بارے میں اعلانِ غیبی شروع کردیا۔وہ فرماتے ہیں:

''یہ دو چیزیں الگ الگ نہیں ہیں کہ عالمی مشورہ الگ ہے اور مرکز نظام الدّین الگ ہے، یہ ممکن نہیں ہے، یہ ممکن نہیں ہے، قیامت تک ممکن نہیں،ایک عالمی مشورہ ہو اور ایک عالمی مرکز ہو یہ نہیں ہوگا؛کیوں کہ ''یہ مرکز ہے اور تاقیامت مرکز ہے''۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''شیطان نے ان لوگوں کو بڑی شکوک میں ڈالا ہوا ہے بڑی شکوک میں ڈالا ہوا ہے''سارے عالم کا یہ مرکز ہے اور سارے عالم کو یہاں سے رجوع کرنا ہے یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات ہے''۔''

آپ دعا کرسکتے ہیں کہ اے اللہ! تاقیامت اس مسجد کو باقی رکھنا۔قیامت تک اس مسجد سے ہدایت کی باتیں ہی ہوں گمراہی کی کوئی بات نہ ہو۔یہ دعا کی جاسکتی ہے؛لیکن کیا آپ یہ اعلان کرسکتے ہیں کہ تاقیامت یہ ہدایت کا مرکز ہے؟تاقیامت ہدایت کا مرکز رہے گا۔زیادہ سے زیادہ آپ یہ امید کرسکتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ مسجد تاقیامت مرکز رہے گا۔یہ نہ کرکے آنجناب نے سیدھاڈھندوراپیٹنا شروع کردیاکہ یہ مسجد قیامت تک مرکز رہے گا۔

یہی نہیں اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر انھوں نے فرمایا کہ :

''یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات ہے''

انّاللہ وانّاالیہ راجعون۔ بے باک ہو کر اس طرح کی غیبی باتیں یہ آدمی کیسے بتادیتاہے ؟

ایک حدیث میں صرف تین مسجدوں کے بارے میں خاص فضیلت کی بات آئی ہے۔ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور بیت المقدس۔ ایک دوسری حدیث میں مسجد قُبا کی فضیلت بھی آئی ہے۔ ان کے علاوہ زُور زبردستی کیا آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ مرکز نظام الدّین کی خاص فضیلت ہے ؟اس سے بھی آگے بڑھ کر کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی اطاعت کرناہی پڑے گی؟اس ممبر سے جو بھی کہاجائے سب کچھ مانناہی پڑے گا؟اس طرح کہناہر گزجائز نہیں؛کیوں کہ ممبر میں کب کون آئے گااس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔

حضرت مولاناخطیب عبیدالحق صاحبؒ بنگلہ دیش کی قومی مسجد ''بیت المکرّم'' کے نامی گرامی خطیب تھے۔ان کے بعد حضرت مولانا نور الدّین صاحبؒ تھے۔ حضرت خطیب صاحب سے پہلے حضرت مولانا مفتی عبدالمعز صاحبؒ تھے۔ یہ حضرات ترجمانِ حق تھے۔ان کے بعد ''بیت المکرّم'' کے ممبر پر ایسا آدمی بھی تو آیا ہے جو فاسد عقیدے کا حامل تھا۔ ''آٹھ رسّی'' کا تقریباًمرید تھا۔ جن کو یہ بات معلوم تھی کہ یہ آدمی ''آٹھ رسّی'' کامرید ہے وہ لوگ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کیوں کہ ایسا نہیں کہ ''بیت المکرّم'' چوں کہ قومی مسجد ہے اس لیے یہاں جو بھی خطیب بن کے آئیں گے اسی کے اقتدا میں نماز پڑھناپڑے گی۔ اس ممبر سے جو بھی کہاجائے گا وہ حق ہو گااور اس کی پیروی کرناپڑے گی۔اس طرح اگر کوئی غلو کرے تو یہ ہر گز جائز نہیں۔ مرکز نظام الدّین بھی تو ایک مسجد ہے۔ یہاں سالہا سال سے ہدایت کی باتیں ہوتی رہی ہیں۔اس مسجد میں اللہ کے نیک بندے سر بسجود رہے ہیں۔ یہ تو بہت اچّھی بات ہے۔ان باتوں سے کوئی انکار نہیں۔ دین کی محنت جہاں جتنی زیادہ

ہوتی ہے وہاں انوار وبرکات کا ظہور بھی زیادہ ہوتا ہے؛ لیکن کیا اس وجہ سے آپ غیب سے متعلق یہ بات بتا سکتے ہیں:

''ساری دنیا کا حال یہ ہے کہ مکّہ مدینہ کے بعد اگر کوئی جگہ قابلِ احترام اور قابلِ اقتداء اور قابلِ اطاعت اور قابلِ عظمت ہیں تو وہ مسجد نظام الدّین ہے اور یہ آپ سب حضرات کے لیے نئے پرانے ،۔۔۔۔۔۔،ہمیشہ کے لیے، ساری دنیا کے لیے، سارے امور کا مرجع اور سارے امور کا مرکز وہ نظام الدّین ہے۔''

کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس طرح کی غیبی باتیں بتاتے پھیرے۔ بغیرِ دلیل اس طرح کی باتیں بتانے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیا مرکز نظام الدّین کی فضیلت ،بیت المقدس سے بھی بڑھی ہوئی ہے ؟انّاللہ، پھر کسی مقام کا مقدّس ہونا ایک بات ہے اور اس کا معیارِ حق ہونا الگ بات ہے، شریعت نے کسی خاص مقام کو معیارِ اطاعت نہیں قرار دیا، اور نہ کسی مقام کی ضمانت دی ہے کہ اس پر کبھی بھی کسی اہلِ باطل یا گمراہ شخص کا تسلّط نہیں ہوگا۔ معیارِ حق اور معیارِ اطاعت تو کتاب وسنّت، اجماعِ امّت وطریقۂ خلفائے راشدین اور تعاملِ صحابہ ہے۔ نیز ان سب کا علمبردار اور محافظ ائمۂ مجتہدین ،سلفِ صالحین اور ہر دور کے علمائے اہلِ سنّت والجماعت ہیں۔

یادرکھیں یہ ایسی ویسی کوئی غیبی بات نہیں؛ بلکہ کسی بھی بدعتی فرقہ کے لیے راستہ صاف کردینے والی بدعتی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کے مالک ہیں۔ بات یہی ختم نہیں ہوگئی۔ ان کی اس طرح کی غیبی باتیں اور بھی ہیں۔ اس کی صرف ایک مثال میں نے بیان کی۔

بدعت ایجاد کرنا

دینی امور میں کسی دلیل کے بغیر ہی بات کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ دینی امور میں تو بات کرنے کے لیے دلائل شرعیّہ کی بنیاد پر کرنا پڑتی ہے؛ حالاں کہ آنجناب مخالفِ دلیل باتوں کو مسئلہ

شریعت کے طور پر پیش کرتے رہتے ہیں۔ مسئلۂ شریعت نہیں ایسی باتوں کو اگر کوئی مسئلۂ شریعت ہونے کا دعویٰ کرے پھر اس پر دلیل دینے کی تگ ودو میں لگے رہے تو یہ مسخ اور تحریف ہے۔ یا تو وہ موضوع یا منکر حدیث سے دلیل دے گا یا صحیح حدیث کی غلط تشریح کرے گا۔ یا موضوع سے متعلق ایک حدیث کو لے کر دوسری حدیث کو ترک کر دے گا۔ موضوع سے متعلق تمام احادیث کو سامنے نہ رکھ کر دو ایک احادیث سے غلط سمجھ کر غلط مسئلہ بتائے گا۔ پھر اسی غلط مسئلے کو جزوِ شریعت قرار دے گا۔

ہمارے اطاعتی بھائیوں کی زبان پر ایک بات بڑے خوب صورت لہجے میں سنائی دیتی ہے کہ حضرت مولانا سعد صاحب کام کو سیرت پر لانا چاہتے ہیں۔اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ سیرت کا ناقص اور نامکمل مطالعے کی بنیاد پر وہ نئے نئے اصول ایجاد کر کے فرماتے ہیں کہ کام کو سیرت پر لانا چاہتے ہیں۔

اس طرح کی بلادلیل اور مخالفِ دلیل ایجاد کردہ باتوں کی فہرست بھی مختصر نہیں۔ تنگیِ وقت کی وجہ سے آج یہی بس کرتا ہوں۔

تو کتنی قسم کی غلطیاں ہوئی؟ سب کی تو فہرست بھی ذکر نہیں کر سکا۔ صرف تین قسم کی غلطیوں کا تذکرہ کر سکا۔ایک قسم کی صرف تین مثالیں، دوسری قسم کی دو مثالیں اور تیسری قسم کا صرف عنوان ذکر کیا۔ بہر حال جتنا بھی مذاکرہ ہوا اس سے موضوعِ بحث کی تھوڑی بہت توضاحت ہوئی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔اپنی اصلاح کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔تاکہ وہ پہلے کی طرح ہمارے دیگر مربّیوں کی طرح مربّی شمار ہو سکے۔ان کی اصلاح ہو جانے سے پہلے ان کو یہاں مدعو کرنا اور ان کی اطاعت کرنا بالکل مناسب نہیں؛ بلکہ دعوت و تبلیغ کے قدیم مربّیوں کے تربیت یافتہ حضرات کی نگرانی اور سربراہی میں کام چلتا رہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بالآخر حضرت مولانا سعد صاحب کے بارے میں دار العلوم دیوبند کا آخری موقف پیش کر دیتا ہوں۔ جو ضروری وضاحت کے عنوان سے دار العلوم دیوبند کے ویب سائٹ پر موجود ہے۔

نظام الدّین اور ''کاکرائیل'' میں جب مولانا سعد صاحب نے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کیے ہوئے منکر تبصروں سے زبانی طور پر رجوع کیا تب دار العلوم نے یہ وضاحتی بیان شائع کیا تھا۔ اس میں مولانا سعد صاحب کی فکری بے راہ روی کے بارے میں بتایا گیا۔

دار العلوم دیوبند کا یہ وضاحتی بیان قابلِ ملاحظہ ہے۔ ذرا تفصیل سے بتائے دیتا ہوں۔ ۲/دسمبر ۲۰۱۷ء کو نظام الدّین میں حیاۃ الصّحابہ کی مجلسِ تعلیم میں اور جنوری ۲۰۱۸ء کو بنگلہ دیش کے تبلیغی مرکز ''کاکرائیل'' میں (اگرچہ حضرت مولانا سعد صاحب کے رجوع کے الفاظ ان کی شان کے مطابق نہیں تھے، کیوں کہ مذکور الذّکر دونوں جگہوں میں رجوع کے جو الفاظ تھے ان میں اس بات کی تصریح (پھر کہتا ہوں: تصریح) نہیں تھی کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کوئی قابلِ مواخذہ بات کہی ہے؛ بلکہ دونوں رجوع میں یہ وضاحت بھی نہیں تھی کہ انھوں نے کیا غلط کہا تھا اور اب کس صحیح بات کی طرف رجوع کر رہے ہیں، اس کے باوجود) چوں کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں رجوع کا ذکر کیا ہے، اس سے تو کم از کم یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں انھوں نے جو غلط بات کہی ہے اس سے اب رجوع کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ یہ غلط باتیں مختلف بڑے بڑے اجتماعات اور مجمعِ عام کے سامنے بتا چکے تھے۔ اور رجوع کیا ہے مسجد کی مختصر چہار دیواری کے اندر۔ پھر بھی خفیہ تحریری رجوع سے یہ بہتر ہے۔ اس لیے دار العلوم دیوبند نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں ان کا رجوع قابلِ اطمینان قرار دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کو دو ملکوں کے مراکز تبلیغ میں مجمع کے سامنے رجوع کیا ہے۔ اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں اس طرح کی غلط باتوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔

لیکن اعتراض ان کی صرف اسی ایک بات تک محدود نہیں ہے۔ان کی خطرناک غلطیوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں ان کے موقف کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس سے انھوں نے تقریری یا تحریری طور پر ابھی تک رجوع نہیں کیا۔

۲/دسمبر ۲۰۱۷ء کو مرکز نظام الدّین میں انھوں نے جو رجوع کیا وہ ان کا پانچواں رجوع تھا۔اس پانچوے رجوع کے بعد بھی انھوں نے اپنے مختلف بیانات میں،ماقبل کی مختلف خطرناک غلط باتوں کا اعادہ کر چکے ہیں۔مزید نئی نئی غلط باتیں ایجاد بھی کر چکے ہیں۔جن کا چند نمونے مع دن تاریخ و مقام کے دارالعلوم دیوبند کے فاضل،دعوت و تبلیغ کے خاص ساتھی مفتی خضر محمود قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ ''رجوع کے بعد مولانا محمد سعد صاحب کے چند بیانات کا علمی جائزہ'' میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند ان کی حرکتوں سے باخبر ہے۔اسی لیے دارالعلوم دیوبند نے اپنے ''وضاحتی بیان'' میں ایک نہایت ہی اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا جو بہ طورِ خاص توجّہ چاہتا ہے۔دارالعلوم دیوبند کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''لیکن دارالعلوم کے موقف میں اصلاً مولانا کی جس فکری بے راہ روی پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا،اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا؛اس لیے کہ کئی بار رجوع کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مولانا کے ایسے نئے بیانات موصول ہو رہے ہیں،جن میں وہی مجتہدانہ انداز،غلط استدلالات اور دعوت سے متعلق اپنی ایک مخصوص فکر پر نصوصِ شرعیّہ کا غلط انطباق نمایاں ہے،جس کی وجہ سے خدّامِ دارالعلوم ہی نہیں؛بلکہ دیگر علمائے حق کو بھی مولانا کی مجموعی فکر سے سخت قسم کی بے اطمینانی ہے۔''

مذکورالذّکر عبارت میں ''فکری بے راہ روی'' یہ جملہ نہایت ہی لائقِ توجّہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف دو ایک باتوں میں ان کی غلطیاں محدود نہیں کہ ان سے رجوع کرلیں گے تو معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ یہاں بات ہے ان کے مزاج مذاق اور زاویۂ نگاہ درست کرنے کی۔

اس لیے محض دو ایک غلطیوں سے رجوع کر لینے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سلفِ صالحین کے افکار و نظریّات اور مزاج و مذاق کے ساتھ وہ اپنے افکار و نظریّات اور مزاج مذاق کو ہم آہنگ کرلیں۔ مزاج و مذاق کی ہم آہنگی کے بعد ایک مرتبہ رجوع کرنا ہی کافی اور شافی ہے۔ اس کے حصول کے بغیر رجوع در رجوع بھی ناکافی اور ناقابلِ اطمینان ہی رہے گا۔ ویسے یہ بات تو واضح ہے کہ بار بار رجوع کی ضرورت پیش آنا یہ رجوع کی اصل روح اور جان ہی کو ختم کر دیتا ہے۔

بہر حال دار العلوم دیوبند کی بے اطمینانی کی حقیقت اور صداقت اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ دار العلوم دیوبند کی یہ ''ضروری وضاحت'' بہ تاریخ ۳۱/ جنوری ۲۰۱۸ء کا دستخط شدہ ہے۔ اس تاریخ کے بعد سے آج تک حضرت مولانا سعد صاحب کے ہند و بیرونِ ہند کے بیانات میں جس طرح کی خطرناک غلطیاں سرزد ہوئی ہیں سمجھ دار اور ہوش مند علمائے کرام انھیں سن کر حیران اور انگشت بدنداں رہ جائیں گے، اس نوع کا ایک مجموعہ وفاق العلماء ہند نے ''مولانا محمّد سعد صاحب ۲۰۱۸ء کے چند بیانات علمائے کرام کی خدمت میں'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سعد صاحب کو فہمِ صحیح اور سلامتِ فکر نیز افراط و تفریط سے پاک معتدل مزاج عطا فرمائے۔ سلفِ صالحین اور ان سے پہلے کے صالح و مصلح اکابرین کے راستے اور ڈگر پر قائم و دائم رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

مجلسِ مذاکرہ

چند سوالات کا جوات

سوال: مولانا سعد صاحب کو جب ہم مسلمان ہی کہتے ہیں تو ایک دین دار عالم کی اطاعت کرنے میں کیا حرج ہے؟ علمائے کرام ان کی اطاعت سے روکتے کیوں ہے؟

جواب: اطاعت منع کیوں ہے یہ معلوم کرنے کے لیے آپ کو یہ معلوم کرنا ہوگا کہ کسی کی اطاعت کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ شریعت کی رُو سے کس کی اطاعت رَوا ہے اور کس کی اطاعت منع ہے؟ ایسا کوئی مسئلہ نہیں کہ کوئی آدمی کافر نہ ہو تو آنکھیں بند کر کے اس کی اطاعت کی جاسکتی ہے۔ کوئی آدمی مسلمان تو ہے لیکن بدعتی ہے کیا اس کی اطاعت جائز ہے؟ یا کوئی آدمی مسلمان تو ہے لیکن گمراہ ہے اس کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ یا کوئی آدمی مسلمان تو ہے لیکن اس کی باتوں میں گمراہی کی باتیں شامل ہیں تو اس کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ بہر حال یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ فلاں جب مسلمان ہے تو ان کی اطاعت جائز ہونا چاہیے!!

سوال: تو کیا مولانا سعد صاحب کی اطاعت اس لیے جائز نہیں کہ وہ گمراہ ہے؟ ہمارے ملک کے بعض علمائے کرام تو ان کو واضح الفاظ میں گمراہ قرار دیتے ہیں؛ لیکن بعض علمائے کرام واضح الفاظ میں گمراہ نہیں کہتے؛ بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ان کی باتوں میں گمراہی کی باتیں اور اہل السّنۃ والجماعہ کے اجماع کے خلاف باتیں شامل ہیں۔ معاملہ اصل میں کیا ہے؟

جواب: نتیجہ کے حساب سے دونوں میں کوئی فرق نہیں؛ کیوں کہ جس کے بیانات میں بہت سی گمراہی کی باتیں اور اہلِ سنّت والجماعت کے خلاف باتیں موجود ہوں وہ تو ضرور گمراہ ہے۔ ایسے آدمی کو اگر کوئی شخص براہِ راست گمراہ نہ بھی کہے پھر بھی اس کی اطاعت جائز نہیں۔ ایسا آدمی کسی دینی امور کا

دینی ذمّے دار نہیں بن سکتا۔ مولانا سعد صاحب کے بارے میں تو دار العلوم دیوبند کے متّفقہ موقف میں صاف کہا گیا کہ وہ جمہور اہلِ سنّت والجماعت کے راستے سے ہٹتے جارہے ہیں۔ جو بلا شبہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اسی لیے ان باتوں پر سکوت اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ فتویٰ کی متعلقہ عبارات ملاحظہ فرمایئے:

”جماعتِ تبلیغ ایک خالص دینی جماعت ہے، جو عملاً ومسلکاً جمہورِ امّت اور اکابر رحمہم اللہ کے طریق سے ہٹ کر محفوظ نہیں رہ پائے گی۔ انبیاء کی شان میں بے ادبی، فکری انحرافات، تفسیر بالرّائے، احادیث وآثار کی من مانی تشریحات سے علمائے حق کبھی متّفق نہیں ہو سکتے اور اس پر سکوت اختیار نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ اسی قسم کے نظریّات بعد میں پوری جماعت کو راہِ حق سے منحرف کر دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے بھی بعض اصلاحی اور دینی جماعتوں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آچکا ہے۔

اس لیے ہم ان معروضات کی روشنی میں امّتِ مسلمہ بالخصوص عام تبلیغی احباب کو اس بات سے آگاہ کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں کہ مولوی محمّد سعد صاحب کم علمی کی بنا پر اپنے افکار و نظریات اور قرآن وحدیث کی تشریحات میں جمہور اہل السّنۃ الجماعہ کے راستے سے ہٹتے جارہے ہیں، جو بلا شبہ گمراہی کا راستہ ہے۔ اس لیے ان باتوں پر سکوت اختیار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ نظریّات اگرچہ ایک فرد کے ہیں؛ لیکن یہ چیزیں اب عوام النّاس میں تیزی سے پھیلتی جارہی ہیں۔

جماعت کے حلقے میں اثر ورسوخ رکھنے والے معتدل مزاج اور سنجیدہ اہم ذمّے داران کو بھی ہم متوجّہ کرنا چاہتے ہیں کہ اکابر کی قائم کردہ اس جماعت کو جمہورِ امّت اور سابقہ اکابر ذمّے داران کے مسلک ومشرب پر قائم رکھنے کی سعی کریں اور مولوی محمّد سعد صاحب کے جو غلط افکار اور نظریّات عوام النّاس میں پھیل چکے ہیں، ان کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں۔ اگر ان پر فوری قدغن نہ لگائی گئی، تو

خطرہ ہے کہ آگے چل کر جماعتِ تبلیغ سے وابستہ امّت کاایک بڑاطبقہ گمراہی کا شکار ہو کر فرقۂ ضالہ کی شکل اختیار کر لے۔“

یادر کھنے کی بات ہے کہ دارالعلوم دیو بند کا یہ فتویٰ اب بھی بر قرار ہے؛ کیوں کہ دارالعلوم کے آخری موقف کا نتیجہ بھی یہی ہے، جو مذ کورہ عبارت کا حاصل ہے۔

سوال: اب دارالعلوم دیو بندان کے بارے میں کیا فرماتے ہے۔

جواب: دار العلوم دیو بند کی آخری تحریر میں توان کی ”فکری بے راہ روی“ کے بارے میں اظہارِ تشویش کیا گیاہے۔ انھوں نے جس سے رجوع کیاہے اگراس رجوع کو قابلِ قبول مان بھی لیا جائے پھر بھی ان کی اصل مصیبت تو ”فکری بے راہ روی“ ہے۔ جو ابھی بھی بر قرار ہے۔ کیوں کہ ان کے بیانات میں مجتہدانہ انداز نمایاں ہے۔ جو آدمی مجتہد نہیں وہ اگر اجتہاد کرنا شروع کر دے تو کیا حشر برپا کرے گا یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ ڈاکٹر نہ ہو کر اگر کوئی آدمی ڈاکٹری شروع کر دے تو کیا ظلم توڑے گا؟! ۲۰۱۸/۱/۳۱ء کا تحریر شدہ دار العلوم دیو بند کا آخری موقف کی پوری عبارت پیش کرتا ہوں۔

”گذشتہ دنوں جناب مولانا محمّد سعد صاحب کے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعہ سے رجوع کے اعلان کے بعد ملک وبیرونِ ملک سے لوگ دارالعلوم دیو بند کے موقف سے متعلق مسلسل استفسار کر رہے ہیں۔

اس موقع سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا کواس ایک واقعے کی حد تک تو قابلِ اطمینان قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن دار العلوم کے موقف میں اصلاً مولانا کی جس فکری بے راہ روی پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا، اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ کئی بار رجوع کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مولانا

کے ایسے نئے بیانات موصول ہورہے ہیں، جن میں وہی مجتہدانہ انداز، غلط استدلالات اور دعوت سے متعلق اپنی ایک مخصوص فکر پر نصوصِ شرعیّہ کا غلط انطباق نمایاں ہے، جس کی وجہ سے خدّام دارالعلوم ہی نہیں؛ بلکہ دیگر علمائے حق کو بھی مجموعی فکر سے سخت قسم کی بے اطمینانی ہے۔

ہمارا یہ ماننا ہے کہ اکابر رحمہم اللہ کی فکر سے معمولی انحراف بھی شدید نقصاندہ ہے۔ مولانا کو اپنے بیانات میں محتاط انداز اختیار کرنا چاہیے اور اسلاف کے طریقے پر گامزن رہتے ہوئے نصوصِ شرعیّہ سے ذاتی اجتہادات کا سلسلہ بند کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مولانا موصوف کے ان دور از کار اجتہادات سے ایسا لگتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کسی ایسی جدید جماعت کی تشکیل کے درپئے ہیں جو اہل السّنۃ والجماعۃ اور خاص طور پر اپنے اکابر کے مسلک سے مختلف ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابر واسلاف کے طریق پر ثابت قدم رکھے، آمین۔

جو لوگ دارالعلوم دیوبند سے مسلسل رجوع کررہے ہیں، ان سے دوبارہ گزارش کی جاتی ہے کہ جماعت کے داخلی اختلاف سے دارالعلوم کا کوئی تعلق نہیں ہے، پہلے دن سے اس کا اعلان کیا جاچکا ہے؛ البتّہ غلط افکار وخیالات سے متعلق جب بھی دارالعلوم سے رجوع کیا گیا ہے، دارالعلوم نے ہمیشہ امّت کی راہنمائی کی کوشش کی ہے، دارالعلوم اس کو اپنا دینی وشرعی فریضہ سمجھتا ہے۔‘‘

انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں کتنی خطرناک بات کہی ہے۔ ان کی یہ بات صرف حضرت موسیٰ علیہ السّلام تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ اس سے حکمِ خداوندی پر بھی آنچ آتا ہے۔ انھوں نے چار مرتبہ تحریری رجوع کے بعد پانچواں رجوع مرکز نظام الدّین میں اور چھٹا رجوع ’’کاکرائیل‘‘ میں کیا۔ آپ ہی لوگ بتائیے رجوع کتنی مرتبہ کرنا پڑتا ہے؟ حقیقی رجوع اگر ہو تو ایک ہی مرتبہ رجوع کرنا کافی ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معاملے سے رجوع کے بارے میں دیوبند نے کہا کہ اسے قابلِ اطمینان قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے مکمل قابلِ اطمینان نہیں؛ لیکن پھر بھی جب وہ بار بار فرمارہے ہیں کہ میں نے رجوع کیا؛اس لیے مان لیا گیا کہ انھوں نے رجوع کیا۔ لیکن جس سے انھوں نے رجوع کیا ہے یہ تو صرف ایک واقعے کی بات ہے۔ قصّہ تو صرف یہ نہیں کہ انھوں نے صرف دو ایک غلطی کی ہیں، جس سے رجوع کر لیا تو معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اصل معاملہ تو یہ ہے کہ ان کی فکر میں جو بے راہ روی پائی جاتی ہے وہ دور نہیں ہوئی۔ وہ علیٰ حالہ برقرار ہے۔

ایک داعی بہ طورِ خاص جو ایک مرکزی جگہ میں ذمّے دار کے عہدے پر فائز ہیں، ان کی فکر تو اہل السّنۃ والجماعۃ کی فکر کے عینِ مطابق ہونی چاہیے؛ لیکن ان کا گوشۂ فکر دیگر ہے۔ اسی کی طرف وہ گامزن ہے۔ یہ رفتار مسلسل جاری ہے۔ اس بارے میں ان کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں آئی جس سے یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ وہ اب اس راستے سے صحیح راستے کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

فکری بے راہ روی

ایک ہے صحیح راستے پر رہ کر کبھی کبھی بھول چوک ہو جانا۔ اور ایک ہے غلط راستے پر چلنا شروع کر دینا۔ دونوں ایک نہیں۔ دارالعلوم نے غلط راستے کی طرف چلنے کو کہا ہے فکری بے راہ روی۔ آخر دارالعلوم کو اطمینان نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کیوں کہ بارہا رجوع کرنے کے باوجود چند دن بعد بعد ایسے نئے نئے بیانات موصول ہو رہے ہیں کہ جن میں وہی مجتہدانہ انداز اور خیالِ خام آرائی۔

مجتہدانہ انداز

کسی مجتہد فیہ مسئلے میں دلائل کی روشنی میں اظہارِ خیال ہو سکتا ہے؛ لیکن وہ تو صرف مجتہد کے لیے ہے۔ مولانا سعد صاحب تو مجتہد نہیں۔ ان کو تو کوئی بات کہنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ دیگر علمائے

کرام کیا فرماتے ہیں۔ان کو اپنی سمجھ کے بارے میں دیگر علمائے کرام سے مشورہ کرلینا چاہیے۔ مجتہدین حضرات بھی تو مشورہ کرکے غور و فکر کے بعد ہی کوئی بات بتاتے تھے؛ لیکن (خدا ہی بہتر جانتا ہے) وہ تو اپنے آپ کو اتنے بڑے مجتہد گمان کر بیٹھے ہیں کہ کسی سے مشورہ کی ادنیٰ ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، بس کوئی بات دماغ میں آئی اور بتا دیا۔ ما قبل کے کسی معتبر حوالے کی بھی ضرورت نہیں۔ کسی مشورے کی بھی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ انھوں نے تو اصول ہی گھڑ رکھا ہے کہ مشورہ صرف انتظامی امور میں ہوتا ہے۔ امورِ شرعی میں کوئی مشورہ نہیں ہوتا۔ اسی کو کہا جاتا ہے مجتہدانہ انداز۔

غلط استدلالات

دوسری بات ہے غلط استدلالات (دلائل کی غلط تطبیق)۔ آیات، احادیث اور سیرت سے صحیح اصول کی روشنی میں استدلال کرنا پڑتا ہے۔ وہ غلط طریقے سے استدلال کرتے ہیں۔ یعنی آیات سے جو بات ثابت نہیں ہوتی وہ بات ثابت کرنے کی بے جا کوشش کرنا۔ احادیث سے جو بات ثابت نہیں ہوتی وہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ سیرت سے جو بات ثابت نہیں ہوتی وہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ ہے غلط استدلالات۔

نصوصِ شرعیّہ کا غلط انطباق

تیسری بات ہے دعوت و تبلیغ کے بارے میں انھوں نے اپنا ایک محدود خاکہ متعیّن کیا۔ شریعت میں دعوت کا طریقہ عام اور مفتوح ہے۔ دعوت کے بہت سے طریقے تھے اور ہیں۔ تمام مباح طریقے کی اباحت اور افادیت تا قیامت برقرار رہے گی۔ انھوں نے پہلے اپنے ذہن میں ایک خاکہ اور نقشہ تیّار کیا، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا نقشہ بھی پورا باقی نہیں رکھا۔ اب قرآن اور حدیث کو اسی نقشے پر غلط انطباق کررہے ہیں۔ جیسے یہ کہنا کہ قرآنِ کریم میں جس دعوت کی بات آئی وہ صرف اور صرف یہ

ہے۔ حدیث اور سیرت میں جس دعوت کی بات آئی ہے وہ یہی ہے۔ یہ ہے دعوت کے خاص طریقے پر آیات اور احادیث کا غلط انطباق۔

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ شریعت کی طرف سے جہاں ایک ہی طریقہ متعیّن ہے وہاں طریقہ ایک ہی ہے۔ اس میں تعدّد کی گنجائش نہیں۔ جیسے قرآنِ کریم میں جس صلاۃ کی بات آئی ہے وہ یہی ہے جو ہم او شما ادا کرتے ہیں۔ بعض ملحدین نے ایک اور صلاۃ ایجاد کی ہے۔ ان میں سے کوئی اس بات کے قائل ہیں کہ دل کی نماز ہی اصل نماز ہے۔ چوں کہ قرآن و حدیث میں صلاۃ کا طریقہ متعیّن ہے لہٰذا صلاۃ کا ایک ہی طریقہ متعیّن ہے۔ اس میں تعدّد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب اگر کوئی ہر رکعت میں دو رکوع اور چار سجدے کرنا شروع کردے تو اسے کیا کہا جائے گا؟ اسے صلاۃ کہا جائے گا یا کچھ اور؟

لیکن جہاں شریعت کی طرف سے ایک سے زائد طریقے موجود ہیں، وہاں کسی ایک طریقے کو متعیّن کرکے دوسرے طریقوں کو نفی کردینا جائز نہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث میں دعوت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہ صرف یہی ہے۔ دعوت کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ یہ مسخ اور تحریف ہے کہ نہیں؟ تو دیوبند نے آخری موقف میں کہا ہے کہ رجوع کے بعد بھی ان کے نئے نئے بیانات میں تین چیزیں نمایاں ہیں۔

۱۔ ملکۂ اجتہاد کے فقدان کے باوجود مجتہد کی طرح رائے زنی۔

۲۔ آیات اور آحادیث سے غلط استدلال۔

۳۔ دعوت کے خاص طریقے پر نصوصِ شرعیّہ یعنی آیات، احادیث اور سیرت کے واقعات کی غلط تطبیق۔

ان تین طرح کی غلطیاں ان کے نئے نئے بیانات میں بار بار دیکھا جارہا ہے۔ معلوم ہوا ان کی جو فکری بے راہ روی تھی وہ تاہنوز برقرار ہے۔ اسی لیے دارالعلوم کو اطمینان نہیں ہورہا ہے۔ دیگر علمائے کرام کو بھی ان کے بارے میں بے اطمینانی ہے۔ اس کے بعد دیوبند نے ان کو نصیحت کی ہے کہ اکابر رحمہم اللہ کی فکر سے معمولی انحراف بھی شدید نقصاندہ ہے۔ اس لیے مولانا سعد صاحب کو بیانات میں احتیاط اختیار کرنا چاہیے۔ اسلاف کے طریقے پر گامزن رہنا چاہیے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ نصوصِ شرعیّہ یعنی قرآن و حدیث سے وہ ذاتی اجتہاد کا سلسلہ بند کریں۔

یہ بات دیوبند نے کیوں کہی؟ کیوں کہ وہ مجتہد نہیں۔ ذاتی اجتہاد کرتے ہوئے انھوں نے گمراہی کی باتیں ایجاد کیں۔ دارالعلوم دیوبند نے یہ بھی تنبیہ کی کہ ان کے دور از کار اجتہادات سے ایسا لگتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کسی ایسی جدید جماعت کی تشکیل کے درپئے ہیں جو اہل السنّۃ والجماعہ اور خاص طور پر اپنے اکابر کے مسلک سے مختلف ہوگی۔

یہ بات کسی کو صاف طور پر گمراہ کہنے سے کم نہیں۔ امید ہے کہ اب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ دیوبند نے ان کے بارے صرف یہ نہیں کہا کہ ان کا رجوع نامہ قابلِ اطمینان قرار دیا جاسکتا ہے؛ بلکہ مزید دو باتوں پر بھی تنبیہ کی۔

ا۔ فکری بے راہ روی، جس کی دلیل بعد کے بیانات میں موجود ہے:

(ا) ملکۂ اجتہاد نہ ہونے کے باوجود مجتہدانہ رائے قائم کرنا۔

(ب) غلط استدلالات۔

(ج) نصوصِ شرعیّہ کا غلط انطباق۔

۲۔اہل السّنہ والجماعۃ اور اپنے اکابر رحمہم اللہ کے طریقے سے ہٹ کر جدید جماعت کی تشکیل کے درپئے ہونے پر خطرے کا بھی اظہار کیا ہے۔

یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ رجوع کے بعد بھی ماقبل کی مختلف غلط باتیں بتانے سے باز نہیں آئے۔ مزید برآں نئی نئی باتوں کا ایجاد بھی جاری ہے۔

ہاں چند باتیں ایسی بھی ہیں، رجوع کے بعد جن کا اعادہ کیا ہو ایسا کوئی ثبوت نہیں۔ جیسے ان کی یہ بات کہ جیب میں موبائیل فون رکھنے سے نماز نہیں ہو گی۔ اس سے انھوں نے رجوع کیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق انھوں نے رجوع کے بعد اس مسئلے کا اعادہ نہیں کیا۔ ویسے اس طرح کی دیگر چند نئی باتیں انھوں نے بتائیں؛ لیکن نماز نہ ہونے کی بات نہیں بتائی۔ رجوع کے بعد جس بات کا اعادہ نہ کیا ہو اس بارے میں ہم فرض کر لیں گے کہ ان کا رجوع برقرار ہے۔

رجوع کے بعد جن باتوں کا اعادہ نہیں کیا ان کو اب ان کی غلطیوں کی فہرست میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں ان کی غلطیوں میں محض انھیں کو ذکر کرنا چاہیے جن کو رجوع کے بعد بھی بیان کیا ہو یا پہلے تو نہیں کہا تھا اب کہہ رہے ہیں۔ فرض کیجیے کہ کسی نے دو غلطی کر کے اس سے رجوع کیا، تو کیا اس سے ان کی تیسری اور چوتھی غلطی درست ہو جائے گی؟ نہیں نا۔ ایک غلطی سے رجوع کرنے کی وجہ سے دوسری غلطی صحیح نہیں ہو جاتی؛ بلکہ سمجھنا پڑے گا ان کا طریقہ ہی یہی ہے۔

سوال: دیوبند نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا ہے کہ خدانخواستہ وہ کسی ایسی جماعت کی تشکیل کے درپئے ہیں جو اہل السنّۃ والجماعۃ اور خاص طور پر اپنے اکابر کے مسلک سے مختلف ہو گی، اس کے باوجود اگر کسی کا دماغ ٹھکانے پہ نہ آئے اور وہ مولانا سعد صاحب کی اطاعت پر تلے ہوئے ہو تو ہم اس کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟

جواب: ہم اس کے لیے دعائیں کریں گے،اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔

سوال: ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں مانتا ہوں کہ ان سے غلطیاں ہوئی ہیں؛ لیکن انھوں نے توان سے رجوع کیا ہے۔رہی بات اندیشے کی وہ تو کسی کے بارے میں بھی کیا جاسکتا ہے؛ لیکن دیوبند نے جن تین چیزوں کے بارے میں بتایاان کے بارے میں وہ خاموش ہے۔اس کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے؟

جواب: ہم ان کے لیے دعائیں کرتے رہیں گے۔لوگ یہ کہتے ہیں کہ دیوبند نے جتنا کہا ہے اس سے زیادہ نہ کہنا چاہیے۔ٹھیک ہے؛ لیکن اس سے کم بھی تو نہیں کہنا چاہیے! انھوں نے تو کم کہا ہے۔دار العلوم دیوبند کے فتوے میں مذکور خطرناک تین چیزوں کو توانھوں نے مخفی رکھا۔نیزان کی یہ بات بھی درست نہیں کہ کسی کے بارے میں بھی اظہارِ تشویش کیا جاسکتا ہے۔آپ اپنا محاسبہ جتنا چاہے کر سکتے ہیں؛ لیکن کسی معقول وجہ کے بغیر کسی کے بارے میں بھی اس طرح کا اظہارِ تشویش نہیں کر سکتے۔اور اگر کسی معقول وجہ، مضبوط علامات اور قرینے کی بنیاد پر اظہارِ تشویش کیا جائے تو اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''احتمال ناشی عن دلیل'' اور'' احتمال ناشی عن غیرِ دلیل'' کا فرق علمائے کرام بخوبی سمجھتے ہیں۔مولانا سعد صاحب کے رجوع کی حقیقت کے بارے میں ہم پیچھے تفصیلاً گفتگوں کر چکے ہیں۔اس لیے ہمیں چوکنّا رہنا پڑے گا، تاکہ کسی کی گمراہ کن باتیں ہمیں بہکانہ سکے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حفاظت فرمائے۔

سوال: کیا دارالعلوم دیوبند سے ایک قدم آگے بڑھ کر بنگلہ دیش کے علمائے کرام دعوت و تبلیغ جیسی عظیم الشّان محنت کے بارے میں کسی فتویٰ دینے کا حق رکھتے ہیں؟

جواب: دیوبند سے ایک قدم آگے بڑھنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مطلب دیوبند کے حکم کو خاطر میں نہ لانا ہے؟ ایسا کوئی واقعہ تو ابھی تک رونما نہیں ہوا۔ بنگلہ دیش کے علمائے کرام تو دیوبند کے فتویٰ ہی کی تشریح کر رہے ہیں، اور اس فتوے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رہی بات فتویٰ دینے کی، تو وہ ہر ایسی شخصیت اور ہر ایسا ادارہ دے سکتا ہے جس کے اندر شرائطِ فتویٰ موجود ہیں، نیز شریعت کے مقررّہ اصول وضوابط کے اعتبار سے جو اہلیتِ فتویٰ ہے وہ بھی فتویٰ دے سکتا ہے۔ دار العلوم کی طرف سے اس پر کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔

معلوم نہیں کہ آپ حضرات کے علم میں یہ بات ہے بھی کہ نہیں کہ مولانا سعد صاحب کی خطرناک غلطیوں کے بارے میں یقین کامل ہو جانے کے بعد یہاں کے علمائے کرام ''کاکرائیل'' کے اہلِ شوریٰ کے پاس یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے تھے کہ فی الحال مولانا سعد صاحب کو اجتماع میں دعوت نہ دی جائے۔ دار العلوم دیوبند کا فتویٰ صادر ہونے سے قبل ہی علمائے کرام نے یہ اقدام کیا تھا۔ اس سے دار العلوم کے اربابِ حل وعقد ناراض نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ یہ بات معلوم ہونے کے بعد، نہی عن المنکر کی ذمّے داری نبھانے کی وجہ سے اور خوش ہوئے۔

سوال: مولانا سعد صاحب سوائے دعوت و تبلیغ کے دین کے دیگر شعبوں کی قدر ومنزلت کو گھٹاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس محنت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ نیز دعوت سے متعلق جو نصوصِ شرعیّہ یعنی آیاتِ قرآنیّہ اور احادیثِ شریفہ وارد ہیں وہ سب اسی محنت کے ساتھ خاص ہیں۔ کیا یہ تحریف نہیں؟

جواب: ہاں، یہ تحریف تو ضرور ہے۔ دیکھیے تعلیم و تعلم صحابۂ کرم رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل تھا؛ لیکن اس کے لیے مستقل عمارت، مستقل جماعت اور شعبے وغیرہ نہیں تھے۔ دس یا بارہ سال کا

نظامِ تعلیم بھی نہیں تھا؛ لیکن تعلیم تھی۔ یہ باتیں واضح ہیں۔ دعوت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اصل عملِ دعوت اور طریقۂ دعوت ایک نہیں۔ اللہ میاں نے دعوت کو فرض نماز کی طرح متعیّن نہیں کر دیا کہ خاص طریقے ہی سے ادا کرنا پڑے گی۔ اس سے تنگی لازم آئے گی۔ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے طریقۂ عبادت متعیّن فرمادیا جیسے حج متعیّن جگہ اور متعیّن اوقات میں متعیّن طریقے سے ادا کرنا پڑے گا؛ لیکن تعلیم، دعوت و تبلیغ، نصرتِ دین اور اشاعتِ دین اس طرح کے اور بھی اعمال ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اصول مقرّر کر دیے ہیں ان اصول وضوابط کو فولو کر کے یہ کام کیے جا سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی کسی مباح طریقے کو قرآن وحدیث اور سیرت کا متعیّن کردہ لاثانی طریقہ قرار دے تو یہ تحریف کیوں نہیں ہوگا؟

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دین کے جن کاموں کے طریقے من جانب اللہ وسیع کر دیے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو آپ متعیّن اور مخصوص نہیں کر سکتے۔ آپ کسی بھی جائز طریقہ اختیار کر سکتے ہے؛ لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ہے۔ تو کیا پہلے والوں نے غلطی کی ہے؟ نعوذ باللہ۔ اور سامنے بھی تو متعدّد طریقے وجود میں آ سکتے ہیں۔ متعدّد طریقے چل بھی رہے ہیں۔ کیا پوری دنیا نظام الدّین کے طریقے کے مطابق دعوت دیتی ہے؟ ان کی دعوت اگر اصولِ شریعت کے مطابق ہو تو کیا آپ ان کو ناجائز صرف اس لیے کہیں گے کہ وہ نظام الدّین سے منسلک نہیں۔ کیا اس طرح کہنا جائز ہوگا؟ اگر کوئی کہے گا تو تحریف ہوگی کہ نہیں؟ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں۔

شاید آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ مولانا سعد صاحب دعوت کو مخصوص طریقے کے ساتھ خاص کر دینے کی خطرناک غلطی سے ایک مرتبہ رجوع کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود اسی بات کو مسلسل دہرا رہے ہیں۔

سوال: مولانا سعد صاحب کی اطاعت کرنے والے بسا اوقات گمراہ کن باتیں بتاتے ہیں،اختلافی مسائل میں نزاع شروع کر کے غلط سلط سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کو عمل میں جوڑنے کے لیے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟

جواب: اگر کوئی عمل میں شریک ہونا چاہتا ہو تو اسے منع کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔جو آدمی گمراہی پھیلاتا ہو، اسے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرنا کہ بھائی براہِ مہربانی ایسا نہ کیجیے گا؛لیکن کوئی آدمی صرف اطاعتی ہونے کی وجہ سے آپ اسے عمل میں شریک نہ ہونے دیں گے یہ مناسب نہیں۔کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے تو مسئلہ ہے ہی۔مسجد ہر ایک کے لیے مفتوح ہے؛لیکن اگر کوئی مسجد میں آکر فتنہ کرنا چاہتا ہو تو اسے کہنا کہ بھائی مسجد نماز کی جگہ ہے،عبادت کی جگہ ہے،فتنہ کی جگہ نہیں۔اگر آپ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو آپ برائے مہربانی یہاں مت آیئے گا۔اتنی بات کہنے کی گنجائش ہے؛لیکن آپ شروع ہی میں کسی کو منع نہیں کر سکتے۔

سوال: مولانا سعد صاحب نے مدرسہ کے مدرّسین کے وظیفے کے بارے میں غلط مسئلہ بتایا ہے نیز مدارس کے غرباء فنڈ میں زکاۃ نہ دینے کے کی اپیل کی ہے کیا یہ مدرسہ کی تعلیم کو بند کر دینے کی کوئی سوچی سمجھی سازش ہو سکتی ہے؟

جواب: اندیشہ تو ہے؛لیکن یقین کے ساتھ کچھ کہنے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔انھوں نے تو زکاۃ کے علاوہ اپنے مال سے مدرسوں میں امداد کرنے کی بات بھی کہی ہے۔مدرّسین کے وظیفے کے بارے میں یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ماہنامہ الکوثر میں آپ لوگ پڑھ چکے ہوں گے کہ وہ روایت صحیح نہیں۔روایت کی عبارت میں بھی فرق ہے۔نیز اس روایت

کے مفہوم کے ساتھ ان کے مسئلے کا بھی کوئی میل نہیں۔(تفصیل کے لیے ماہنامہ الکوثر ذوالحجّہ ۱۴۳۹ھ بہ مطابق ستمبر ۲۰۱۸ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

بہر حال اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرکے جس روایت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ خود مولانا سعد صاحب نے بھی دوسری جگہ صحیح بات فرمائی ہے کہ مدرّسین حضرات ''حبسِ وقت'' کا عوض لیتے ہیں، تعلیم کا نہیں۔ چوں کہ انھوں نے دونوں طرح کی باتیں کہی ہیں؛ اس لیے ہم ان کی نیّت پر حملہ نہیں کر سکتے۔ غیب کی خبر تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہے؛ البتہ بہت سے اطاعتی بھائی مدارس سے بغض رکھتے ہیں یہ تو واضح سی بات ہے۔

سوال: اطاعت کرنے والے لوگ تقسیم کی بات کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب: وہ لوگ اگر یہ کہے کہ تم ہماری اصلاح کی فکر مت کرو۔ ہمارے مولانا سعد صاحب کی اصلاح کی فکر بھی نہ کیا کرو۔ جیسے ایک آدمی نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کہ جس طرح مزاری لوگ اس ملک میں ہیں اسی طرح ہم بھی رہیں گے۔ ایک اور صاحب نے کہا اگر مولانا سعد صاحب جہنّم میں جائے تو ہم بھی جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔ اگر وہ لوگ یہ کہے کہ انھیں مستقل فرقہ تسلیم کرلیا جائے۔ تو سب سے پہلے ان سے یہ کہا جائے گا کہ آپ لوگ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی تبلیغ پر نہیں۔ اب اگر وہ لوگ یہ کہے کہ ہمیں الگ فرقہ ہی رہنے دو تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ مجھے یہ سوچتے ہوئے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ سب لوگ حق کی بنیاد پر ایک ہو جائے؛ لیکن یہ کہنا کہ ہم بھی تبلیغی ہیں وہ بھی تبلیغی ہیں، ایک دن ان کا ایک دن ہمارا، یہ نہیں چلے گا۔ یہ ممکن نہیں؛ کیوں کہ جب تم حضرت مولانا الیاسؒ کی تبلیغ کی بات کر رہے ہو تو تمھیں ان کے اصول پر چلنا پڑے گا۔ جب تم تبلیغِ دین کی بات کر رہے ہوں تو تمھیں سب سے پہلے اہل السنّۃ والجماعہ کے عقائد، منہج اور طریقے کو اپنانا پڑے گا۔ ان

سے ہٹ کر تبلیغ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ارے بھائی! تقسیم تو ہوتی ہے مال و متاع میں۔ حق اور باطل میں کوئی تقسیم نہیں ہوتی۔

سوال: ٹونگی کے میدان میں ان لوگوں نے جو ہنگامہ مچایا ہے اس کے بعد کیا ان کو باطل فرقہ کہا جاسکتا ہے؟

جواب: ان لوگوں نے تو نئے فرقے کی شکل اختیار کر ہی لی ہیں۔ یہ ان کا کام ہے ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی فرقہ رہے۔ فرقے کا وجود بہت بڑی مصیبت ہے۔ فرقہ وجود میں آنے کی صورت میں جب تک وہ فرقہ رہے گا تب تک بغیر سوچے سمجھے لوگ اس میں شامل ہوتے رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی فرقہ نہ رہے۔ان کو جادۂ مستقیم پر لانے کے لیے ہم اپنی کوشش اور کاوش مقدور بھر جاری رکھیں گے۔

سوال: اگر کسی کے والدین اطاعتی ہوں تو ان کے ساتھ بیٹے کا کیا برتاو ہونا چاہیے؟

جواب: والدین کے ساتھ ادب کی رعایت کر کے حق پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ادب اور اکرام کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

سوال: ہمارے ہاسٹل میں اکثریّت علمائے کرام کے ساتھ ہیں۔ کچھ ساتھی اطاعتی بھی ہیں۔ اگر صورتِ حال یہ ہو کہ ایک ہی کمرے میں ہم تین چار علمائے کرام کے ساتھ ہیں اور دو ایک اطاعت کرنے والے ہیں، تو ان کے بارے میں ہماری کیا فکر ہونی چاہیے؟

جواب: بات ایک ہی ہے ان کے بارے میں بھی امید قطع نہ کرنا چاہیے۔ان کے لیے دعا بھی کرتے رہنا، اور ان کو سمجھاتے رہنا۔

سوال: اگر ایسا ہو کہ ہمارے کمرے الگ ہوں جن میں صرف ہمارے ساتھی رہیں گے؛ چوں کہ وہ لوگ فتنہ پھیلا رہے ہیں؛ اس لیے کیا اُن کو ہمارے کمرے میں رکھنا مناسب ہے؟

جواب: ان کو ساتھ رکھنا اچھّا ہے؛ ممکن ہے کہ آپ لوگوں کی صحبت میں رہنے کی بدولت ان کو صحیح سمجھ آجائے۔ اگر بہت زیادہ تنگ نہ کرے تو ان کو ساتھ رکھنا ہی بہتر ہے۔

سوال: ''منتخب احادیث'' کی تعلیم کیوں نہیں کی جاتی؟

جواب: کسی کتاب کو تعلیم میں شامل کرنے کے لیے مشورہ کر لینے کی ضرورت ہے؛ لیکن مولانا سعد صاحب نے مشورے کے بغیر ہی اس کتاب کی تعلیم شروع کروادی؛ چوں کہ انھوں نے ذاتی فیصلے کی بنیاد پر زُور زبردستی اس کتاب کی تعلیم جاری کروائی ہے؛ اس لیے ان کے بارے میں اعتراضات اٹھنے کے بعد اُن چیزوں کو ترک کیا جارہا ہے، جو اُن کے ذاتی فیصلے کی بنیاد پر جاری کروایا گیا ہے۔ اس لیے بہت سے لوگ '' منتخب احادیث'' کی تعلیم نہیں کرتے؛ لیکن ''کاکرائیل'' کی طرف سے شاید کوئی ممانعت نہیں کی گئی۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو بھی ہوگا مشورے کی بنیاد پر ہی ہونا چاہیے۔

سوال: جو محدودِ چند علمائے کرام اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہیں ان کا کہنا ہے کہ بنگلہ دیش کے علمائے کرام کو اور بھی وسیع الظرف ہونا چاہیے۔

جواب: وسعت کی حدودِ اربعہ کیا ہے؟ ایک تو یہ ہے کہ آپ کہیں گے کہ ان کی غلطیوں سے انکار کرنا۔ اور ایک ہے کہ غلطیاں تسلیم کرنے کے باوجود اُن کی اطاعت کرتے رہنا، اُن سے غلطیاں سرزد ہونے سے پہلے جیسا برتاو کیا گیا تھا اب بھی وہی برتاو اور سلوک کرنا۔ اس طرح کی وسعت تو از رُوئے شریعت رَوا نہیں۔ کیا یہ وسعت نہیں کہ ان کی اتنی ساری غلطیوں کے باوجود صرف اتنا کہا گیا ہے کہ وہ اہل السنّۃ والجماعۃ کے راستے سے ہٹتے جارہے ہیں، جو گمراہی کا راستہ ہے۔ ان کے بہت سے

اقوال اہل السنّۃ والجماعہ کے اجماع کے خلاف ہیں۔ وہ فکری بے راہ روی کے شکار ہیں۔ اس سے سخت موقف قائم نہیں کیا گیا یہ بھی تو ایک طرح کی وسعت ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان کی شدید قسم کی غلطیوں کو ہلکا قرار دیا جائے تو یہ ممکن نہیں۔ یہ جائز بھی نہیں۔ وسعت سے وہ لوگ یہی وسعت مراد لیتے ہیں۔ شریعت کی طرف سے وسعت اور تنگی کا جو معیار مقرّر ہے، ہمیں اسی کے دائرے میں رہنا ہیں۔ اپنی طرف سے ایجاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

سوال: ''ٹونگی'' المیہ کے بعد ایک بھائی نے مجھے سوال کیا کہ اگر مسلمان آپس میں لڑائی بھڑائی کر کے مر جائے تو مرنے والے کیا شہید شمار ہوں گے؟

جواب: میرے علم کے مطابق ''ٹونگی'' ٹریجیڈی میں ایک طرفہ حملہ ہوا تھا۔ ایک فریق دوسرے فریق پر ٹوٹ پڑا تھا۔ بہر حال جو بات آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مظلوم ہو کر جو مرتا ہے وہ شہید ہے۔ یعنی وہ شہید کے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ شریعت کی رُو سے اصل شہید وہ ہے جو میدانِ جہاد میں کفّار کے ہاتھ میں جاں بحق ہوتا ہے۔ اور ایک ہے شہید کے ثواب کا مستحق ہونا۔ اس معنی میں کہ کوئی مسلمان مظلوم ہو کر مرا ہو، وہ شہید کے ثواب کا مستحق ہو گا۔ لہٰذا اس طرح کہنا صحیح نہیں کہ جو لوگ مظلوم ہو کر مرا ہیں انھیں شہید کا ثواب نہیں ملے گا۔

سوال: وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزاع کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غیرِ جانب دار تھے۔

جواب: نزاع کی دو صورتیں ہیں: ایک ہے جب ایک فریق دوسرے فریق کے آمنے سامنے آ گئے اس وقت کا نزاع۔ دوسری صورت ہے مسئلۂ خلاف کے بارے میں نزاع۔ حضرت علی رضی اللہ

عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ غیرِ جانب دارانہ رویّہ اختیار فرمایا تھا۔ اس وقت اور بھی چند صحابۂ کرام یہ سوچ کر ساکت تھے کہ اس میں شریک ہونا مناسب نہیں ہوگا۔

موجودہ انتشار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزاع کے ساتھ مقابلہ کرنا جرمِ کبیر ہے۔ اس طرح سوچنا بھی غلط ہے۔ مولانا سعد صاحب کی اطاعت کرنے والے اپنے آپ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ساتھ موازنہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ایسا کرنا بہت بڑی بے ادبی ہے۔ کہاں ''خطائے اجتہادی'' اور کہاں باطل کی غلط طرف داری؟

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

یہاں بنیادی طور پر جو بات سمجھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اگر وہ لوگ کسی صحابی کے کسی واقعے کا حوالہ پیش کرنا چاہے تو اس طرح کا کوئی واقعہ پیش کریں کہ کوئی آدمی کسی غلط راستے پر چل پڑا اس کے باوجود کسی صحابی نے فرمایا ہو کہ وہ اگرچہ غلط راستے پر ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا خاندان اچّھا ہے اس لیے اس کی غلطی کو غلطی نہ کہو؛ بلکہ آنکھوں میں پٹّی باندھ کر اس کی اطاعت کرتے رہو۔ کیا اس طرح کی کوئی بات کبھی کسی صحابی نے کہی ہے؟ حاشا وکلّا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.